حکمتِ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

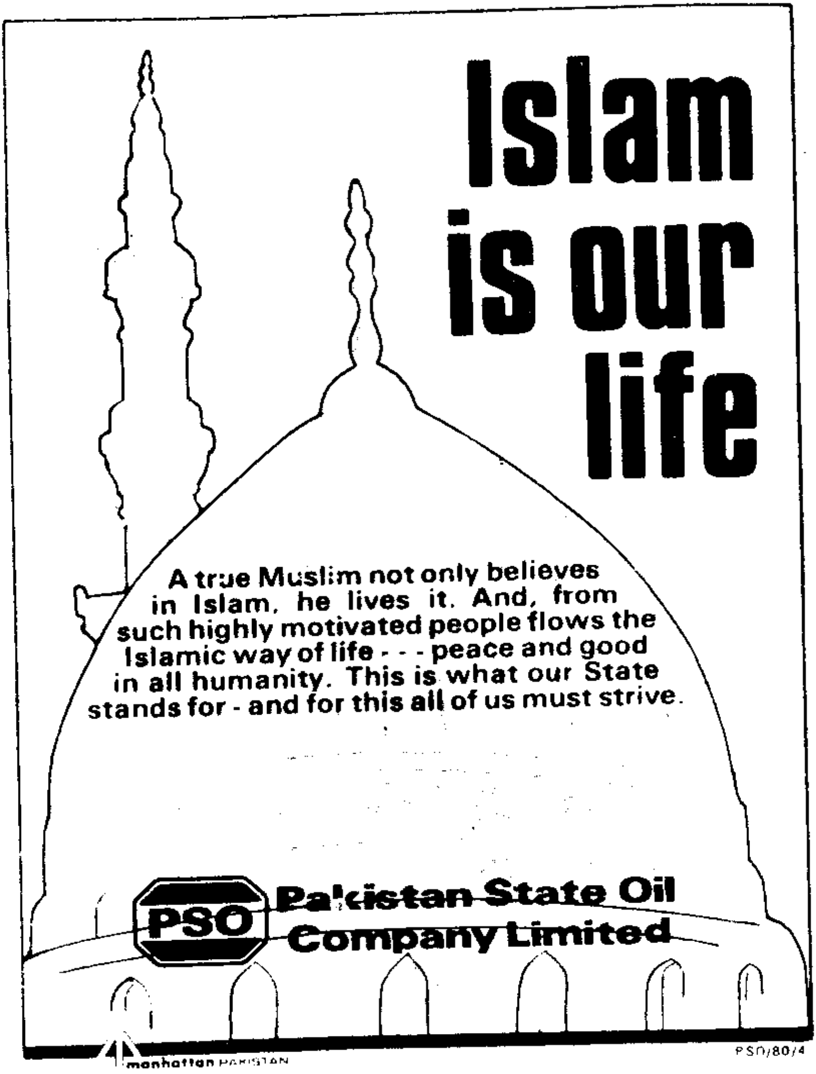
Islam is our life
A true Muslim not only believes in Islam, he lives it. And, from such highly motivated people flows the Islamic way of life - - - peace and good in all humanity. This is what our State stands for - and for this all of us must strive.
PSO
Pakistan State Oil Company Limited
manhattan PAKISTAN
PSO/80/4

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے پی - ایچ ڈی - ڈی لٹ (مرحوم)

اشاعتِ خاص

جمادی الاول و جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

بمطابق

مارچ / اپریل ۱۹۸۳ء

جلد دوم • شمارہ ۲/۱

• مدیر اعزازی

ڈاکٹر ابصار احمد

ایم اے - ایم فل - پی ایچ ڈی

معاون مدیر

حافظ عاکف سعید

ایم اے (فلسفہ)

فہرس

حرفِ اول ———— ۳

ابصار احمد

فرائض دینی کا قرآنی تصور
اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں ———— ۵

ڈاکٹر اسرار احمد

قدرت کے طبعی و تمدنی قوانین
اور اسلام و ایمان ———— ۴۵

ایک صاحب خیر

یکے از مطبوعات: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور - ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

طابع: ایس اے سلیم — مطبع: آفتاب عالم پریس لاہور

زرِ سالانہ - ۲۰/- روپے — اس شمارے کی قیمت - ۱۵ روپے

گر اِک چراغِ حقیقت کو گُل کیا تم نے ۔۔۔ تو موجِ دُود سے صد آفتاب اُبھریں گے

پاکستان ٹیلی ویژن کا
مقبول ترین پروگرام

الہُدیٰ

ایک گہری سازش کے تحت چند مغرب زدہ خواتین کے احتجاج کی آڑ میں بند کر دیا گیا

لیکن کیا ہدایتِ ربّانی کا یہ سلسلہ بند کیا جا سکتا ہے؟

شائقینِ الہدیٰ کیلئے خوشخبری ہے کہ

ڈاکٹر **اسرار احمد** کا الہدیٰ کا پروگرام ابتداء سے سلسلہ وار ماہنامہ **میثاق** لاہور

میں شائع کیا جا رہا ہے

اس سلسلہ کی پہلی قسط مارچ ۸۳ء کے میثاق میں شائع ہو چکی ہے۔ اپنے ہاکر یا بک اسٹال سے فوراً حاصل کر لیجیے
ایسا نہ ہو کہ ختم ہو جائے اور آپ کی فائل نامکمل رہ جائے۔ سالانہ خریداری قبول کر کے براہ راست ہم سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے

ھدیہ فی شمارہ: تین روپے — سالانہ زرِ تعاون: تیس روپے ۔ نوٹ:۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتب کی فہرست بھی ہم سے مفت طلب فرمائیے

منیجر ماہنامہ "میثاق" ۳۶-کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور (فون ۸۵۲۶۱۱) ذیلی دفتر: تنظیم اسلامی - داؤد منزل، شارع لیاقت - کراچی - (فون ۲۱۴۷۰۹)

ابصار احمد

حرفِ اوّل

الحمد للّٰہ وکفیٰ والصّلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مشہور قول ہے کہ:
عرفت ربی بفسخ العزائم "میں نے اپنے ربّ کو اپنے ارادوں اور اپنے عزائم کے ٹوٹ جانے کے ذریعہ بھی پہچانا۔" یعنی انسان کے ارادے از مشیت ہے ایک بالاترین مشیت بھی ہے اور اصلاً وہ ہی مشیت اس کارگاہِ عالم میں نافذ و ساری ہے — ہمارا طے شدہ پروگرام یہ تھا کہ "حکمتِ قرآن" کا مارچ/اپریل کا مشترکہ شمارہ "اشاعتِ خصوصی" کے طور پر اوائل اپریل میں منصۂ شہود پر آجائے۔ لیکن مختلف ناگہانی اسباب کے باعث ہمارا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ جن خوشنویس صاحب سے اس شمارے کی کتابت کرائی جارہی تھی وہ دورانِ کتابت ایک روڈ ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئے۔ نتیجتہً پندرہ یوم تک کتابت کا کام انجام نہ دے سکے۔ صحت کے بعد کام شروع کیا تو ایک ہفتہ لے ابدان کو بخار نے آدبوچا۔ درمیان میں کسی دوسرے کاتب کا قلم استعمال کرانا پرچے کے ظاہری حسن کے لیے مناسب نہیں سمجھا گیا لہٰذا ان کی صحت یابی کا انتظار کرنا پڑا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ بقیہ کتابت کا کام کسی دوسرے خوشنویس صاحب سے کرایا جائے چنانچہ اس کا انتظام کیا گیا اور بحمداللہ ۱۹ اپریل تک کتابت کا کام مکمل ہوا۔ اب طباعت، جلد بندی اور پوسٹنگ کے مراحل باقی ہیں۔ اندازہ ہے کہ اواخر اپریل تک یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ سکے گا۔ انتظار کی زحمت اٹھانے پر ادارے کی طرف سے معذرت قبول فرمائیے۔

یہ اشاعتِ خصوصی صرف دو مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا محترم ڈاکٹر اسرار احمد

کے ایک خطاب کی تلخیص پر مبنی ہے جس میں موصوف نے اسوۂ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ایک نئے زاویے سے بیان کیا تھا۔ مستحکم اور پُرتاثیر طرزِ استدلال کے لحاظ سے یہ خطاب انتہائی ایمان و بصیرت افروز ہے۔ دوسرا مضمون ایک صاحبِ خیر کی کاوش کا نتیجہ ہے جو نہ عالمِ دین ہیں اور نہ ہی ادیب یا مضمون نگار۔ انھوں نے اپنے مطالعے اور مشاہدے کو خالصتاً دینی جذبے کے تحت مدلّل انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کا طرزِ نگارش و استدلال کافی فکر انگیز ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ مضمون غور و فکر کے لیے بہت سی راہیں کھولنے کا باعث ہوگا۔

انہی صاحبِ خیر کے تعاون سے یہ اشاعتِ خاص کثیر تعداد میں طبع کرائی گئی ہے تاکہ استفادے کا حلقہ وسیع تر ہو سکے۔ اسے "حکمتِ قرآن" اور ماہنامہ "میثاق" کے جملہ سالانہ معاونین کی خدمت میں ارسال کیا جا رہا ہے۔ مزید برآں مختلف ذرائع سے علم دوست حضرات، یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں، لائبریریوں اور اداروں کے پتے حاصل کر کے ان کو ہدیۃً یہ شمارہ بھیجا جا رہا ہے۔ اس امر کا امکان ہے کہ اکثر حضرات کے پاس دو نسخے پہنچ جائیں۔ ایسے اصحاب سے التماس ہے کہ فاضل نسخہ اپنے حلقۂ تعارف میں سے کسی علم دوست کو پہنچا کر تعاون فرمائیں۔ نیز اگر قارئین کرام مزید علم دوست اور اہلِ نظر صاحبان کے پتے ہمیں ارسال فرمائیں گے تو ان شاء اللہ ان کی خدمت میں بھی یہ اشاعتِ خصوصی بطورِ ہدیہ ارسال کر دی جائے گی۔ جو حضرات اس سلسلہ میں تعاون فرمائیں گے ان شاء اللہ ان کا یہ تعاون، تعاون علی البر شمار ہوگا — اس اشاعت میں شامل دونوں مضامین یا ان میں سے کوئی ایک مضمون استفادہ عام کے لیے جو اصحابِ خیر اپنی جانب سے طبع کرا کے پھیلانا چاہیں ان کو ادارہ کی جانب سے کھلی اجازت ہے۔ بلکہ اس ضمن میں ادارۂ حکمتِ قرآن کے تعاون کی ضرورت ہو تو ان شاء اللہ ممکنہ تعاون پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں انجمن کے دیرینہ کارکن اور تنظیم اسلامی کے ترجمان "میثاق" کے اعزازی رکنِ ادارہ تحریر اور اپنے بزرگ رفیق شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں، جن کا تعاون اس خصوصی اشاعت کی تیاری میں اول تا آخر قدم بقدم حاصل ہوتا رہا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

★

فرائضِ دینی کا قرآنی تصوّر

"اسوۂ رسُول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں"

★

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ایک ایمان و بصیرت افروز خطاب

کی تلخیص

★

ترتیب و تسوید:

جمیل الرحمٰن

یہ خطاب مئی ۱۹۷۹ء میں سورۃ الاحزاب کے مسلسل درس کے ضمن میں
اس سورۂ مبارکہ کے تیسرے رکوع کے درس کے اختتام پر کیا گیا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست!

اقبال

اَحْمَدُہٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
اَمَّا بَعْدُ : فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ الْاَحْزَاب :
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ
یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا o
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ (آیت ۲۱)
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ
عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ط

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ ہم نے آج سُورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کا درس و مطالعہ مکمل کر لیا —— میں نے ابتدا ہی میں عرض کر دیا تھا کہ میں درس کے بعد "اُسوۂ حسنہ" کے موضوع پر مزید گفتگو کروں گا۔ چنانچہ میں اب اللہ کا نام لے کر آغاز کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس "اُسوۂ حسنہ" کے بارے میں آپ چند اور باتیں سلسلہ وار ایک، دو، تین کی طرح نوٹ کر لیں اور اپنے حافظہ اور ذہن میں بٹھا لیں —— میں دورانِ درس یہ عرض کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور حیاتِ طیبہ ہر ایک اعتبار سے اُسوہ ہے۔ 'اُسوہ' کا اصل مفہوم اتباع اور پیروی ہے۔ ہمارے یہاں 'اتباعِ سُنّت' کی جو اصطلاح رائج ہے اس کو "اُسوہ" کی صحیح ترین تعبیر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سُورۃ الاحزاب کے درس کے

دوران آنحضورؐ کا جو اُسوہ ہمارے سامنے آتا ہے، اس کو پیش نظر رکھیے اور پہلے ایک سوال کا جواب آپ خود اپنے طور پر دینے کی کوشش کیجیے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اجتماعی جدوجہد ہے، وہ کیا ہے! میرا یہ سوال بہت اہم ہے، اس کو نوٹ کیجیے کہ میں نے اجتماعی جدوجہد کو کیوں خاص طور پر Qualify کیا ہے؟ ــــ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کام خالص انفرادی ہیں اور وہ ایسے بھی ہیں کہ ہم ان کا اتباع نہیں کر سکتے ــ مثلاً نبی اکرمؐ صوم وصال رکھتے تھے ۔ لیکن ہمیں منع کیا گیا ۔ حضورؐ بغیر افطار کے ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا روزہ رکھا کرتے تھے ۔ اس سے بھی زیادہ رکھا ہے ۔ لیکن اُمّت کو روک دیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا بھی کہ آپؐ ہم کو کیوں منع فرماتے ہیں! ــ جواب میں ارشاد ہوا : اَیُّکُمْ مِثْلِیْ ــ "تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو!" اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ ــ "میں اپنے ربّ کے پاس رات بسر کرتا ہوں" ــ وَھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ــ "وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ معلوم ہوا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہو سکتے ہیں ۔ جن کے لئے ہم اتباع کے مکلّف نہیں ہیں۔ وہ خصوصیات ہیں جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں ــ ہم کیسے کریں گے! اس اعتبار سے اوّلیت جس "اُسوہ" کو حاصل ہے، وہ اُسوہ آپ کی اجتماعی زندگی کا نقشہ ہے ــ اس کا ہر ہر قدم واجب الاتّباع ہے ــ اسی اتباع کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ : اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ــ اس لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ ذرا اپنے ذہن میں یہ سوال لائیے کہ نبی اکرمؐ کی جو اجتماعی جدوجہد ہے، وہ کس نوعیت کے کام سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے! مثلاً ایک نوعیت ہوتی ہے رفاہ عامہ

کے کاموں کی ۔ لوگ یہ کام کرتے ہیں ۔ پھر خدمتِ خلق کے بے شمار میدان ہیں، جن کے لئے انجمنیں بنتی ہیں، ادارے وجود میں آتے ہیں ۔ دوسرے کچھ ہوتے ہیں محدود پیمانے کے تبلیغی کام ۔ دنیا میں بے شمار مشنریز (MISSIONARIES) ہیں جو تبلیغ کے کام میں مصروف ہیں ۔ یہودیوں کی تبلیغ ہے، عیسائیوں کی تبلیغ ہے ۔ بدھ مت کے بھکشو ہیں جو تبلیغ کرتے ہیں ۔ آریہ سماجی ہیں جو یہ کام کرتے ہیں ۔ یہ بھی ایک اجتماعی نوعیت کا کام ہے ۔ یہ وہ تبلیغ ہے جس میں تلوار کبھی ہاتھ میں نظر نہیں آئے گی ۔ اس تبلیغ کا معاملہ کبھی جہاد و قتال تک نہیں پہنچے گا ۔ یہ ساری عمر تبلیغ ہی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ چلتا رہے گا ۔۔۔ ذہن میں تیسرا خانہ بنائیے تعلیمی اور تحقیقی کام کا ۔۔۔ اس کے لئے بھی انجمنیں بنتی ہیں اور ادارے تشکیل پاتے ہیں ۔ تعلیم کو عام کرنے کی عملی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ۔ مکتب، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہوتی ہیں ۔ ریسرچ کے لئے ادارے اور فاونڈیشن قائم ہوتے ہیں جن کے تحت یہ کام ہوتا ہے ۔ کسی خاص فکر کو پھیلانے اور PROMOTE کرنے کے لئے اکیڈمیاں بنتی ہیں جیسے اقبال اکیڈمی جو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے فکر کو پھیلانے کے کام میں مصروف ہے ۔ سقراط نے بھی ایک اکیڈمی بنائی تھی ۔ جس میں وہ اپنے فکر کے مطابق کچھ ذہین لوگوں کو تیار کرتا تھا ۔ چوتھا کام سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے ۔ اس کے لئے بھی جماعتیں، جمعیتیں اور پارٹیاں بنتی ہیں تحریکیں اٹھتی ہیں، سیاسی میدان میں کام ہوتا ہے الیکشن ہوتے ہیں ۔ اس سیاسی کام کی اصل نوعیت عموماً کیا ہوتی ہے؟ ذرا اس پر غور کر لیجئے ۔ اس کی اصل نوعیت یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ جو نظام قائم ہوتا ہے اصولی اعتبار سے اس سے اختلاف نہیں ہوتا ۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ تفصیلات میں انتظامی اعتبارات سے ایک جماعت کا منشور (MANIFESTO) اور ہے اور دوسری جماعت کا کچھ اور ہے ۔ مثلاً امریکہ

میں ڈیموکریٹس اور ری پبلیکن پارٹیاں ہیں اور انگلینڈ میں، لیبر پارٹی، کنزرویٹو پارٹی ہے۔ تو امریکہ یا انگلستان میں جو بنیادی دستور اور نظام رائج ہے یعنی جمہوریت کا نظام تو وہ سب پارٹیوں کے نزدیک متفق علیہ ہوتا ہے۔ لیکن تفصیلات میں جاکر چند پالیسیوں کے بارے میں اختلافات ہوتے ہیں اور اس ضمن میں پارٹیوں کے منشور میں اختلافات ہوتے ہیں۔ ہر پارٹی اس اعلان کے ساتھ الیکشن کے میدان میں اُترتی ہے کہ ہمیں ووٹ زیادہ ملیں گے اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں آجائے گا تو ہم یہ اور یہ کام کریں گے یہ اور یہ اصلاحات نافذ کریں گے جس سے ملک اور عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ اللہ اللہ خیر صلا — یہ ہوتی ہے سیاسی کام کی حقیقی نوعیت — ویسے یہ فہرست طویل ہوسکتی ہے لیکن چونکہ میرے پاس وقت کم ہے اس لئے آپ ان چار انواع کے کاموں کو ذہن میں بٹھا کر اب پانچویں نوعیت کے کام پر غور کیجئے اور وہ ہے انقلابی کام — انقلاب کیا ہوتا ہے کہ کسی جگہ پر جو نظام قائم ہے، اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے، بنیادی تبدیلی لانی ہے اور پورے نقشے کو بدلنا ہے۔ ؎

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
تومی دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

یہ انقلابی کام اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ رائج الوقت نظام کو جڑ اور بنیاد سے اکھیڑ کر اس کی جگہ دوسرا نظام نہ لایا جائے۔ اب ان پانچ انواع کے کاموں کو ذہن میں بٹھا لیجئے۔ نمبر ایک، رفاہی کام — نمبر ۲، تبلیغی کام — نمبر ۳ تعلیمی علمی اور تحقیقی کام — نمبر ۴، سیاسی کام — اور نمبر ۵، انقلابی کام — ہر ایک کے اپنے تقاضے اور اپنی CONNOTATION ہیں۔ ہر ایک کا نقشہ جدا بنے گا۔ ہر ایک کے لوازم جُدا ہوں گے۔ اب آپ میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ :

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ان پانچ کاموں میں

سے کس سے مشابہت رکھتا ہے -؟

کیا اس میں کوئی شک ہے کہ وہ انقلابی کام ہے -؟ نظام کی تبدیلی اور وہ بھی جزوی نہیں بلکہ پورے نظام کی تبدیلی —— فکر و نظر سے لے کر عمل و کردار تک کی تبدیلی —— الغرض پورے نظام حیات کی تبدیلی —— وہ صرف تبلیغی کام نہیں تھا - صرف علمی کام نہیں تھا - صرف سیاسی کام نہیں تھا - صرف رفاہی کام نہیں تھا - بلکہ اجتماعی پیمانے پر رفاہی کام تو ہمیں نظر ہی نہیں آتے —— تو نبی اکرمؐ کی زندگی میں اجرائے وحی سے قبل بالکل انفرادی سطح پہ خدمتِ خلق اور رفاہی کام اپنے پورے عروج پر نظر آتا ہے - لیکن نبوّت و رسالت کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد حضورؐ کی پوری زندگی ایک انقلابی جدوجہد کا نقشہ پیش کرتی ہے - جزوی نہیں بلکہ مکمل انقلابی جدوجہد - گویا کہ ع نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے -

میں نے سیرتُ النبیؐ کے موضوع پر متعدد تقاریر کی ہیں، جن میں اس انقلابی جدوجہد کے نقشے کو اپنی امکانی حد تک بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے - اس موقع پر میں چاہوں گا کہ اختصار کے ساتھ اس جدوجہد کے اہم خصائص اور اصول و مبادی آپ کے سامنے اس طرح پیش کر دوں کہ آپ ان کو ترتیب وار اور نمبروار اپنے ذہن نشین کر لیں -

اس انقلابی جدوجہد کے ضمن میں آپ کو سیرت مطہرہ میں جو سب سے اوّل اور نمایاں چیز نظر آئے گی، وہ یہ ہے کہ یہ ساری جدوجہد خالص انسانی سطح (HUMAN LEVEL) پر کی گئی ہے - کسی بھی انقلاب میں جو مراحل آتے ہیں، وہ سب کے سب انقلاب محمدیؐ میں آتے - گویا اس اعتبار سے اس انقلاب اور دوسرے انقلابات میں کوئی فرق نہیں —— اس بات کی وضاحت کیلئے میں عرض کروں گا کہ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر اس اصول پر اپنی توجہات کو مرتکز فرمائیے کہ ہر انقلابی دعوت کو تین مراحل سے لازماً سابقہ پیش آتا ہے :

پہلا مرحلہ ہے ”دعوت و تربیت“ ۔ خالص دینی اصطلاحات کے اعتبار سے یہ بات اس طرح کہی جائے گی کہ دعوتِ ایمان اور تزکیہ : لوگوں کو اللہ کی آیات سنانا اور قبول کرنے والوں کا تزکیہ کرنا ۔ یَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ (البقرہ) ۔ عام دنیوی لحاظ سے اس کی تشریح یوں ہو گی کہ کوئی فکر ہو گا، کوئی نظریہ ہو گا، کوئی فلسفہ ہو گا اور کوئی نقطۂ نظر ہو گا، اس کو پہلے پھیلایا جائے گا ۔ جو اس دعوت کو قبول کریں گے تو اس **دعوت** کے اعتبار سے پھر ان کی تربیت کی جائے گی ۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

خام ہے جبتک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
اور پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

پختہ ہوئے بغیر کام نہیں چلے گا ۔ البتہ تربیت دعوت کے لحاظ سے ہو گی ۔ جو لوگ کمیونزم کے نظریے کو قبول کرتے ہیں اُنکی تربیت کے لئے کوئی اور نظام ہو گا ۔ اس میں یہ نہیں ہو گا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو حج کرو ۔ اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات کو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات و احکام کے تابع رکھو راست روی اور راست بازی کو اپنا شیوہ و شعار بناؤ ۔ نہ اس میں یہ ہو گا کہ اپنی تسکین کا سامان کر لو ۔ جاؤ عیش کرو ۔ شادی کا کیا سوال ہے ۔ اس کے بغیر بھی SEXUAL ضرورت کو کامریڈ مرد اور کامریڈ عورتیں مل جل کر پوری کریں ۔ انکی تربیت میں طبقاتی نفرت و عداوت پیدا کی جائے گی ۔ مزدور اور سرمایہ دار کا امتیاز اجاگر کر کے ان کو آپس میں لڑانے کی سبیل اور طریقہ اختیار کیا جائے گا ۔ ان کو تخریب کاری کی TRAINING دی جائے گی ۔ تربیت کا نظام ہر انقلابی دعوت میں ہوتا ہے لیکن اس کے PREMISES یعنی اسکے سفری کبری اور متعلقات جُدا ہوتے ہیں ۔ اور وہ اس نقطۂ نظر کے مطابق ہوتے ہیں کہ اصل کام کیا کرنا ہے ۔ کون سا انقلاب لانا پیشِ نظر ہے ۔ سوشلسٹ انقلاب برپا کرنا ہے تو اس کی تربیت کی نوعیت

وہ ہوگی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا - اسلامی انقلاب لانا ہے تو اسکی تربیت دوسرے انقلاب کی تربیت کے معاملے سے بالکل جُداگانہ نوعیت کی ہوگی - اسمیں اللہ پر توحید کے التزام اور شرک کے اجتناب کے ساتھ ایمان لانا ہوگا - اس میں یوم آخرت پر اسکی کل جزئیات کے ساتھ ایمان لانا ہوگا - اس میں نبوّت و رسالت پر اطاعت و محبت کلی کے ساتھ ایمان لانا ہوگا - بہرحال ان دونوں الفاظ کو ایک جوڑے کی حیثیت سے BRACKET کر لیجئے - دعوت اور تربیت - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دونوں کام کئے اور بھرپور طریقے پر کئے -

دوسرا مرحلہ ہے "تنظیم" اور اسی کے ساتھ جڑا ہوا لفظ ہے "ہجرت" ---- آپس میں جڑو اور دوسروں سے کٹو - اسی لئے میں نے تنظیم اور ہجرت کو BRACKET کیا ہے - اگر کسی سے کٹو گے تو کسی سے جڑو گے بھی ---- جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑو گے تو ظاہر ہے کہ اپنے گھر والوں سے کٹو گے - سیدھی سادھی بات ہے - اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے - یہاں یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں رشتے ساتھ چل سکیں - یہاں CREDIT ہوگا تو DEBIT بھی ہوگا - اکاؤنٹنٹ کا یہ جدید نظام اس بات کو واضح کرنے کے لئے بڑی عمدہ مثال ہے - یہاں یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی سے کٹنے کو تیار نہیں تو پھر کسی اور سے جڑ بھی نہیں سکتے - لہذا آپ ان دو الفاظ "تنظیم اور ہجرت" کو اپنے ذہن میں یکجا یعنی BRACKET کر لیجئے -

تیسرا مرحلہ ہے - جہاد اور قتال - جہاد کو میں یہاں PASSIVE RESISTANCE کے معنی میں لے رہا ہوں - جدوجہد ہے - دعوت و تبلیغ ہے - مشرکانہ عقائد پر تنقید ہے - مذمومہ اخلاق پر نکیر ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے - اس کے ردّ عمل میں مشرکین کی طرف سے جور و ستم ہے، ایذا رسانی ہے - تعدّی ہے - مصائب ہیں، لیکن ابھی ہاتھ نہیں اٹھ رہا - حکم ہے کہ ماریں کھاؤ مگر مدافعت میں بھی اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤ - تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا

دیا جائے، برداشت کرو اور جھیلو — تمہیں تپتی ہوئی زمین پر اس حال میں لٹا دیا جائے کہ اوپر سے مکّہ جیسے گرم علاقے کا سورج آگ برسا رہا ہو اور پھر تمہارے سینے پر پتھر کی سِل رکھ دی جائے۔ تمہاری ٹانگوں میں رسی باندھکر کھینچا جائے۔ تو بھی جھیلو اور برداشت کرو RETALIATE نہیں کر سکتے۔ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ ایسے حالات میں اگر آدمی DESPERATE ہو جائے تو ایک آدمی دس کو مار کر مرے گا۔ لیکن نہیں — کیا حضرت یاسرؓ کسی کو نہ مار سکتے تھے جب ان کی نگاہوں کے سامنے ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہؓ کے ابوجہل نے اس طرح برچھی ماری کہ پشت کے پار ہو گئی! پھر وہ خود یعنی حضرت یاسرؓ کس طرح مظلومانہ اور بہیمانہ طور پر شہید ہو گئے۔ لیکن اُف تک نہ کی۔ چونکہ ایمان لانے کی وجہ سے اس خاندان پر تو ظلم و ستم کے پہاڑ بہت پہلے سے توڑے جا رہے تھے اور جب کبھی ایسے مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو آپؐ فرماتے: اِصْبِرُوْا اٰلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ۔ ”اے آلِ یاسرؓ کے گھر والو! صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت ہے“۔ شہادت کی خوشخبری پیشگی دیدی گئی تھی — خبابؓ ابن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ اوپر نگرانی کے لئے آدمی کھڑا ہوا ہے۔ حکم ہے جھیلو۔ پیٹھ کی چربی پگھلتی ہے اور آگ سرد پڑ جاتی ہے۔ پھر خود ذاتِ مقدّس پر کیا کچھ ستم روا نہیں رکھا گیا۔ آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں جس سے آپ کے پاؤں مقدّس زخمی ہو جاتے ہیں۔ یہ کام رات کے اندھیرے میں کیا جاتا ہے چونکہ آپ علی الصبح تاروں کی چھاؤں میں نماز کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ آپؐ کے مکان میں گندگی پھینکنے کو معمول بنا لیا جاتا ہے اور یہ دونوں کام کرنیوالے کون ہوتے ہیں! — آپؐ کے پڑوسی اور رشتے میں آپ کے سگے چچا اور چچی یعنی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل — چادر گردن میں ڈال کر اُسے اس طرح بل دیا جاتا ہے کہ مقدّس آنکھیں اُبل پڑتی ہیں — سجدے کی حالت میں

رحمۃ للعالمین کے مقدس کاندھوں پر اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی رکھ دی جاتی ہے۔ تمسخر، استہزاء طعن و تشنیع اور فقرے چست کرنا روز کا معمول بن جاتا ہے۔ قلب مبارک پر جو بیتی ہوگی، وہ بیتی ہوگی، مومنین صادقین کے دلوں پر کیا گزرتا ہوگا کہ ان کے پیارے اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مصائب ڈھاتے اور ستم توڑے جارہے ہیں مگر وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ چونکہ جہاں آپؐ کو حکم تھا کہ جھیلو، برداشت کرو، صبر کرو۔ وہاں آپؐ کی وساطت سے یہی حکم تمام اہل ایمان کے لئے بھی تھا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ :

اس سے اگلا مرحلہ قتال کا ہے۔ جب دعوت منظم ہو جاتی ہے اور یثرب کو دارالہجرۃ بننے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مدینۃ النبی بن جاتا ہے اور مسلمان بالفعل ہجرت یعنی ترک وطن کرکے وہاں جمع ہو جاتے ہیں تو ایک مہیا ہو جاتی ہے اور ایک چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست قائم ہو جاتی ہے اس موقع پر قتال کا مرحلہ آتا ہے چنانچہ سورۃ الحج میں قتال کی اجازت مل جاتی ہے : أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ط وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ "ہاتھ کھول دیئے گئے اب تمہیں بھی اجازت ہے پتھر کا جواب اینٹ سے دو۔ اس لئے کہ تم پر ظلم ہوا ہے اور اللہ تمہارا مددگار اور پشت پناہ ہے"۔ سورۃ النساء میں الفاظ آئے ہیں۔ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ ۔ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جب ان سے کہا گیا تھا کہ ہاتھ بندھے رکھو تو کہتے تھے کہ حضور ہمیں بھی اجازت ہونی چاہئے، ہم بھی لڑیں ہم یہ کردیں گے وہ کردیں گے۔ اب جب کہ لڑائی کا حکم آگیا تو لڑائی ان لوگوں کو بڑی اوکھی معلوم ہوتی ہے۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ج "جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان

میں ایک فریق ایسا بھی ہے کہ جس کا دل ڈول رہا ہے اور وہ انسانوں سے اس طرح ڈر رہا ہے کہ جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ ڈر رہا ہے۔"

کسی انقلابی دعوت کے یہ تین مراحل ہوتے ہیں — مرحلے تین ہیں، لیکن انسانوں نے ہیں گویا ہر مرحلے کے دو پہلو ہوتے ہیں — پہلا مرحلہ ہے، **دعوت و تربیت** — دوسرا مرحلہ ہے **تنظیم و ہجرت** اور تیسرا اور آخری مرحلہ ہے۔ **جہاد و قتال** — ان مراحل سے گزرے بغیر دنیا میں کبھی کوئی انقلاب نہیں آیا ہے —۔ عیسائی طرز کی تبلیغ ہو سکتی ہے — تبلیغ کا کام آپ بھی کیجئے کرتے چلے جائیے — اس سے اگلا مرحلہ نہیں آئے گا — وہی کام نسلاً بعد نسلٍ ہوتا رہے گا — لیکن **محمد رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وسلم کا کام اگر آپ دیکھیں گے تو وہ نہ رفاہی کام ہے نہ تبلیغی کام — نہ تعلیمی و علمی کام — یہ سارے کام اس انقلابی کام میں جزو کی حیثیت سے تو شامل ہیں، لیکن کُل کام خالصتاً کسی انقلابی کام کے مشابہ ہے — پھر یہ انقلابی جدوجہد مکمل اور پھر پورا انقلابی جدوجہد ہے — نیز یہ کہ یہ پوری انقلابی جدوجہد انسانی سطح HUMAN LEVEL پر ہوئی ہے۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

تین سال کی قیدِ شعب بنی ہاشم ہے — جس میں ایسا وقت بھی آیا ہے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا — گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے سب کے سب کھا لیے گئے تھے اور بھوک اور پیاس کے مارے بنی ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہو گئی تھیں، جن کو تر رکھنے کے لیے سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر ان کے حلق میں بوندیں ٹپکائی جاتی تھیں — بنی ہاشم کا پورا قبیلہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہی اس گھاٹی میں قید کر دیا گیا تھا — اور وہ "رسوا سرِ بازارے آں شوخِ ستمگارے" کا نقشہ دیکھنا ہو تو وہ یومِ طائف دیکھ لیجئے کہ یہاں ایک دن میں وہ کچھ بیت گیا جو مکہ میں دس سال میں نہیں بیتا تھا — طائف کے سرداروں

نے دعوتِ حق اور دعوتِ توحید کو حقارت اور استہزا کے انداز میں ٹھکرا دیا اور آپؐ سے جو کچھ انہوں نے کہا اُس کو سننے کے لئے بھی بڑے جگرے کی ضرورت ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ ایک سردار نے کہا کہ "اللہ کو تم جیسے مفلس و قلاش کے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا اس طرح تو وہ گویا خود کعبے کے غلاف کو چاک کر رہا ہے" ایک سردار نے کہا کہ "میں تم سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں اس لئے کہ اگر تم سچے ہو اور واقعتاً رسول ہو تو ہو سکتا ہے کہ میں کہیں توہین کا مرتکب ہو جاؤں اور عذابِ الٰہی کا نوالہ بن جاؤں اور اگر تم جھوٹے ہو تو کسی جھوٹے سے کلام کرنا میری شان کے خلاف ہے"۔ ایسے ہی اور بہت ان سرداروں میں سے ہر ایک نے کہے — پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب نبی اکرمؐ بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا۔ اوباش لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے پھر وہ نقشہ جما ہے کہ جس پر آسمان و زمین لرز گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ ان اوباشوں نے محبوبِ رب العالمین سید الاوّلین والآخرین پر پتھروں کی بارش شروع کر دی تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تالیاں پیٹی جا رہی ہیں۔ حضورؐ کا جسدِ اطہر لہولہان ہو گیا ہے۔ نعلین شریف خون سے بھر گئی ہیں اور پیر جم گئے ہیں۔ ایک موقع پر آپؐ ضعف کے مارے ذرا بیٹھ گئے ہیں تو دو غنڈے آگے بڑھتے ہیں اور بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپکو کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذاتی اعتبار سے ابتلا اور امتحان کا یہ نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے۔ شہر سے باہر آکر آپؐ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر تشریف رکھتے ہیں اور اس موقع پر وہ دُعا آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہی ہے کہ جس کو پڑھتے، سنتے اور سناتے وقت کلیجہ شق ہوتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ —

"اے اللہ! کہاں جاؤں، کہاں فریاد کروں، تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں، اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کی۔ اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے، اس کی"

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَّلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟

"اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟"

اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ۔

"پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں، مجھے اس تشدد کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

"اے رب! میں تیرے رُوئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات بھی منور ہو جاتے ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یومِ اُحد کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ 'یا رسول اللہ! کیا اس سے زیادہ سخت دن بھی آپؐ کی زندگی میں آیا ہے؟ اور آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا "نَعَمْ" —— ہاں یومِ طائف میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا"۔ یہ تمام مصائب و مشکلات کے ادوار نبی اکرمؐ پر آئے اور صحابہ کرامؓ پر بھی۔ اس میں ایک نکتے کی بات ہے، اس پر غور کیجئے وہ یہ کہ ہمارا صغریٰ کبریٰ یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدِ ولدِ آدم اور محبوبِ ربّ العٰلمین ہیں۔ جو اس بات میں شک کرے کافر۔ پھر یہ کہ اللہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے جو شک کرے وہ کافر۔ ان دونوں کو جوڑیے۔ کیا اللہ اس امر پر قادر نہ تھا کہ انقلاب بھی آ جاتا اور محمدؐ کے پاؤں میں

ہاتھ بھی نہ چھوتا - صلی اللہ علیہ وسلم - یہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ہوا نہیں — کیوں نہیں ہوا؟ سوچئے کیوں نہیں ہوا؟ خدا کے لئے مجھے اس کا جواب دیجئے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا —؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو مجھ پر اور آپ پر حجت قائم نہ ہوتی -

انقلاب صرف عرب میں لانا مقصود نہیں تھا - اسے پوری دنیا میں لانا تھا اور وہ انسانوں کے ہاتھوں آنا تھا - معجزے تو رسولوں کے لئے ہیں - عام انسانوں کے لئے تو نہیں ہیں - آگے جو کام کرنا تھا، اس کے لئے اُسوہ کیسے بنتا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہوتی -

اس لفظ اُسوہ کو یہاں سمجھئے - اللہ کر سکتا تھا - اس نے نہیں کیا - اس کا حکم تو یہی تھا کہ "اے محمدؐ جھیلو، برداشت کرو" — اللہ کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے صرف بطور تفہیم بہت ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم اپنے احساسات پر قیاس کریں تو کیا بیتی ہوگی اللہ پر! جب طائف میں اس کا محبوب پتھروں کی زد میں تھا - جب تالیاں پٹ رہی تھیں - لیکن اس کا فیصلہ یہی تھا کہ اے محمدؐ صبر کرو، جھیلو، برداشت کرو — وہی بات جو آنجنابؐ اپنے صحابہؓ سے کہہ رہے ہیں - جیسا کہ میں آل یاسرؓ پر ظلم و ستم کے واقعے کے دوران آپ کو سنا چکا ہوں اسی طرح مکی دور میں مختلف مصائب و شدائد اور ایذا رسانی، جور و تعدی، طنز و استہزاء کے مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وحی الٰہی کے ذریعے یہ ہدایات مل رہی ہیں کہ: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ط — فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ط — فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ط — مختلف اسالیب سے صبر کی ہدایت اور تلقین — فَاصْبِرْ

كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ط "جیسے ہمارے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے ویسے آپ بھی صبر کیجئے" ۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ " صبر کیجئے اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے ۔" یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا چاہیئے تو آپ کا سہارا ہم خود ہیں ۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ط ۔ " پس صبر کیجئے اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے کہیں مچھلی والے کی طرح جلدی نہ کر لیجئے گا" ۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ط ۔ " اور صبر کیجئے اللہ محسنین یعنی خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔" یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس کو جانیے اور سمجھئے، یہ اس لئے ہے کہ جناب محمدؐ کی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے اُسوہ بننا تھا ۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا تو آپؐ کی ذات گرامی ہمارے لئے اُسوہ کیسے بنتی! ۔ یہ مجھ پر حجت ہے ۔ آپ پر حجت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا، وہ خالص انسانی سطح پر کیا ہے، سارے دکھ اٹھا کر کیا ہے ۔ فاقے جھیل کر کیا ہے ۔ پتھراؤ برداشت کر کے کیا ہے ۔ قید و بند کی تکالیف اٹھا کر کیا ہے، اپنے دندان مبارک شہید کرا کے کیا ہے ۔ اپنے عزیزوں اور جان نثاروں کے لاشے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کیا ہے ۔ پیٹ پر ایک نہیں دو پتھر باندھ کر کیا ہے ۔ یہ سارے مصائب جھیلے ہیں، تب انقلاب بپا ہوا ہے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تکالیف برداشت کیں، جب ہی یہ سب ہمارے لئے اُسوہ اور قابل اتباع سُنّت بنا ۔ لہٰذا غور کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ نمایاں اُسوہ کیا ہوا؟ یہ ساری گفتگو لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے تحت ہو رہی ہے ۔ یہ دو اُسوے تو ہوئے مجموعی اُسوے ۔ یعنی بحیثیت مجموعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد خالصتاً انقلابی جدوجہد کے مشابہ ہے ۔ یہ پہلا اُسوہ ہے دوسرا اُسوہ یہ ہے کہ :

یہ ساری جدوجہد انسانی سطح (HUMAN LEVEL) پر بہ قدم تقدم مصائب وتکالیف، جور و تعدی اور ظلم و ستم جھیل کر ہوئی ہے۔

اس موقع پر مبادا کوئی اشکال پیدا ہو جائے یا مغالطہ لاحق ہو جائے لہٰذا عرض کر دوں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید آئی ہے۔ لیکن اس نصرت و تائید کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

نصرت و تائید کب آئی ہے جب مومنین صادقین جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب کر گزرے۔ اس سے پہلے نصرتِ الٰہی نہیں آیا کرتی۔ اس نصرت کی لازمی شرط تو یہ ہے کہ: یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (سورۃ محمد) "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک رات قبل نبی اکرمؐ نے دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! میں نے پندرہ برس کی کمائی لا کر میدان میں ڈال دی ہے۔ اگر یہ شہید ہو گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لئے کہ میں آخری رسول ہوں اور میری پندرہ برس کی کمائی یہ ہے جو دین کی سربلندی کے لئے میں نے میدان میں لا ڈالی ہے۔" چنانچہ بدر کے معرکے میں اللہ کی نصرت آئی اور ۳۱۳ بے سروسامان مومنین صادقین کے ہاتھوں کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار لشکر کو شکست نصیب ہوئی۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ بچ بچ کر اور تحفظ کا خیال رکھ رکھ کر اور اپنی جیبوں کو سکیڑ سکیڑ کر رکھنے کے ساتھ ہم یہ امید رکھیں کہ اللہ کی تائید و نصرت ہمیں حاصل ہو جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنے حلوے مانڈے میں ہم کوئی کمی کرنے کے لئے آمادہ نہیں، کاروبار میں سود شامل

ہے تو اس کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں کیونکہ اس طرح تو کاروبار چوپٹ ہو جائے گا۔ دین کے لئے وقت لگائیں تو پھر ہمارا یہ CADRE اور STATUS کیسے برقرار رہے گا! ستر و حجاب کے احکام کی ہمیں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں الاّ ماشاء اللہ۔ ہم تو بچ بچ کر آرام سے گھروں میں بیٹھے رہیں اور یہ چاہیں کہ اللہ اپنی نصرت و تائید لئے ہمارے پیچھے پیچھے آئے کہ لیجئے میری نصرت و تائید قبول فرما لیجئے، تو یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔ ع

این خیال است و محال است و جنوں است

یہ کبھی نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ نہیں ہوا تو ہمارے سر پر کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہو جائے گا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہوتا تو نبی اکرمؐ کے ساتھ ہوتا۔ اس معاملے میں استثناء (EXCEPTION) اگر ہوتا تو اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ آپؐ ہی ہو سکتے تھے۔

نصرت و تائید کی بات چل رہی تھی تو آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ یوم طائف کے موقع پر نبی اکرمؐ نے جو دعا کی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ: ع

اجابت از در حق بہر استقبال می آید۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ فوراً ملک الجبال حاضر ہوتا ہے، وہ فرشتہ جو پہاڑوں کی دیکھ بھال کے لئے مامور ہے اور عرض کرتا ہے کہ "حضورؐ! اللہ نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی میں طائف کا شہر واقع ہے تاکہ اس کے رہنے والے پس کر سرمہ بن جائیں"۔ اس پر رحمۃ للعالمین ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں لوگوں کے عذاب کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ ———
اگرچہ یہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لاتے لیکن کیا عجب! ان کی آئندہ نسلوں کو اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرمائے"۔ دیکھ لیجئے کہ جس موقع پر غیبی نصرت

بھیجی گئی وہ کون سا موقع تھا - یہ وہ موقع تھا کہ جس سے زیادہ سخت دن خود حضورؐ کے بقول آپؐ کی زندگی میں کوئی اور نہیں گزرا — اس سے پہلے بھی خفی غیبی امداد و نصرت ہوئی ہے - لیکن نصرت الٰہی کا اصل ظہور ہوتا ہے یوم طائف کے بعد — فوری طور پر تو ملک الجبال کی حاضری ہے - لیکن اب ٹھنڈی ہوائیں یثرب کی طرف سے آنے لگیں - آپؐ تو مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن نصرت و حکمت الٰہی نے مدینہ منورہ کی طرف کی کھڑکی کھول دی — یوم طائف کے سلسلہ میں مولانا مناظر الاحسن گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں بہت ہی عمدہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ "یوم طائف نبی اکرمؐ کی زندگی کا Turning Point تھا - اس دن تک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو دشمن کے حوالے کیا ہوا تھا کہ جس طرح چاہو ہمارے رسولؐ کے صبر کا امتحان لے لو، جس طرح چاہو اُن کی استقامت کو جانچ پرکھ لو ہمارے رسولؐ کی سیرت و کردار کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لو — اس دن کے بعد نبی اکرمؐ کے لئے خصوصی نصرت اور تائید الٰہی کا ظہور شروع ہوتا ہے۔"

اب آیئے میں سیرت مطہرہ اور خاص طور سے اِس اسوہ حسنہ کے اُن تین مراحل کے اعتبار سے بطور تجزیہ چند باتیں آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں - جن کا میں نے آغاز میں ذکر کیا تھا — اس کے بعد میں نے دو باتیں آپ کے سامنے بحیثیت مجموعی بیان کی ہیں ایک یہ کہ محض آرزو یا مرثیہ پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا — دین کا دل میں درد ہے تو کچھ کرو - ہمیں مرثیہ پڑھنا اور رونا بہت آتا ہے - لیکن اگر یہ رونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتماعی اُسوہ حسنہ کے ساتھ ہو تو یہ سونا ہے، اُس کے مطابق عمل نہیں ہے تو یہ ٹسوے ہیں، جو عورتیں بہایا کرتی ہیں، جنکی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے دوسرے یہ کہ عمل کے لئے اُسوہ جز دینے کل تک آنحضورؐ کو بناؤ — اب بطور تجزیہ ذرا ان تین اجزا کو لیجئے، جن کو میں نے دو دو لفظوں کے جوڑوں کے ساتھ تین مراحل

کے عنوانات کے تحت آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔
سب سے پہلی بات یہ کہ "دعوت و تربیت" کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ یہ ہے کہ ان دونوں کاموں کا مرکز، مبنیٰ، مدار اور محور قرآن اور صرف قرآن رہا ہے۔ لوگوں کو ایمان کی دعوت دو قرآن کے ذریعے۔ تذکیر کرو قرآن کے ذریعے۔ انذار کرو قرآن کے ذریعے۔ تبشیر کرو قرآن کے ذریعے نصیحت اور موعظت کرو قرآن کے ذریعے۔ بحث و مباحثہ اور جدال و محاجّہ کرو، اس قرآن کے ذریعے۔ تبلیغ کرو قرآن کی۔ دعوت کے لئے یہی الفاظ ہیں اور کون سے الفاظ آئیں گے۔ اب ذرا ان الفاظ کے مطابق وہ ہدایات الٰہی سُنیئے جو قرآن حکیم میں نازل ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وقت کی قلت کی وجہ سے مجھے چند آیات پیش کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔
فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (قٓ) "پس یاد دہانی کراؤ، تذکیر کرو بذریعہ قرآن ہر اُس شخص کو جو میری پکڑ اور سزا سے ڈرتا ہو"۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام) "اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں بھی اس کے ذریعے تم کو خبردار کروں اور وہ بھی جن کو یہ (قرآن) پہنچے" — فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ (مریم) "پس ہم نے اس کتاب کو (اے نبی) آپؐ کی زبان میں اس لئے سہل اور آسان بنایا کہ آپؐ اس کے ذریعے خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو اس کے بُرے انجام سے آگاہ اور خبردار کر دیں" — اس آیت میں خاص بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ تُبَشِّرَ کے ساتھ بھی 'بِهٖ' اور تُنْذِرَ کے ساتھ بھی 'بِهٖ' — یعنی دونوں کام بشارت و انذار اسی کتاب — "قرآن" — کے ذریعے ہوں گے۔
ابھی اور دیکھئے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

مِنْ رَّبِّكَ ط (المائدہ) "اے ہمارے رسول! پہنچائیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے" — تبلیغ کس کی؟ قرآن کی۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ .... (بنی اسرائیل)

"بے شک یہ قرآن اُس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور بشارت دیتا ہے ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں ...."

— تبشیر دینے والا کون؟ قرآن — اس انذار اور تبشیر بالقرآن کا ذکر سورہ کہف کے آغاز ہی میں بڑے مہتم بالشان انداز میں ہوا۔ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝

"شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اُس نے کوئی کجی نہیں رکھی۔ بالکل سیدھی اور ہموار و استوار، تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک عمل کر رہے ہیں، اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ ان کیلئے بہت اچھا اجر ہے" — سب سے بڑھکر یہ کہ دعوت والتزام توحید کے لئے کفار سے جہاد اور کشمکش کے لئے بھی مؤثر ترین ہتھیار یہی قرآن مجید فرقان حمید ہے چنانچہ سورۃ الفرقان کی آیت ۵۲ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا گیا: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

"پس اے نبیؐ، آپ ان کافروں کی خواہشات کا بالکل لحاظ نہ کیجئے اور (دعوت والتزام توحید کے لئے) اس قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ جہاد (کشمکش) کیجئے پورے جوش و جذبہ اور عزم و ثبات کے ساتھ جہاد" — اس آیت کریمہ میں بہٖ کی ضمیر قرآن حکیم کی طرف راجع ہے۔

میں نے اب تک جو چند آیات آپ کو سُنائیں، ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ :

دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز و محور (AXIS) مبنیٰ و مدار صرف اور صرف قرآن ہے، انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر، مباحثہ ہو یا مجادلہ، موعظہ ہو یا نصیحت - یہ تمام کام صرف قرآن مجید ہی کے ذریعے سر انجام دیئے جائیں گے۔ — اور ان تمام کاموں کی انجام دہی کا جامع ترین عنوان ہو گا "جہادِ کبیر" — !!

'دعوت' کا لفظ" ہمارے دین کی جامع ترین اصطلاحات میں سے ایک اہم ترین اصطلاح ہے، جس کے لئے سورہ نحل کی اس آیت سے استشہاد کیا جا سکتا ہے، جس میں 'دعوت' کے ضمن میں یہ جامع و مانع ہدایت دی گئی کہ: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط" دعوت دو، بُلاؤ، پکارو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور مباحثہ و مجادلہ کرو اس طور سے جو نہایت ہی عمدہ ہو" یہ ہے اُسوہ جناب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا — سیرتِ مطہرہ میں پڑھ لیجئے - کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل تقریر کی ہو یا خطاب فرمایا ہو — ! جہاں تشریف لے گئے تو یہی فرمایا کہ" میرے اوپر اللہ کی طرف سے ایک کلام نازل ہوا ہے اُسے سن لو" — معلوم ہوا کہ فلاں وادی میں کوئی قافلہ آکر اترا ہے تو وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ" لوگو! میرے پاس اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے، وہ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں"۔ مجمعوں میں آپؐ قرآن پڑھا کرتے تھے - یہ تو ہمیں مصیبت ہے کہ قرآن کا ترجمہ کرو - اس کا مطلب اور مفہوم سمجھاؤ

دہاں معاملہ یہ تھا کہ از دل خیزد بر دل ریزد ۔ دہاں تو حال یہ تھا کہ نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے قرآن سُنا اور سعید رُوح کے قلب و ذہن اور رگ و پے میں سرایت کر گیا ۔ قرآن اور محض قرآن سُن کر جو جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مشرف بہ ایمان ہوتے، ان کے نام گنوانے لگوں تو بڑی طویل فہرست ہو جائے گی ۔ عمر بن الخطاب کو عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بنایا کس نے؟ قرآن نے ۔ ع دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را ۔ یہ سُورہ طٰہٰ کی معجز نمائی تھی، جس نے عمرؓ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ۔

ابوذر غفاریؓ کو جو ڈکیتی کا پیشہ رکھنے والے ایک قبیلے کے فرد تھے اس مقام تک کس نے پہنچایا کہ "رہزنان از حفظ او رہبر شدند"، جن کے متعلق نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھنا ہو تو میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے"۔ قرآن نے ۔۔۔ لبیدؓ شعرائے سبعہ معلقہ کے سلسلے کے آخری شاعر ہیں، ان کے ایک شعر پر سوقِ عکاظ میں تمام شعرائے وقت نے اِن کو سجدہ کیا تھا ۔ وہ ایمان لے آئے ۔ قرآن کے ذریعے ۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ اب شعر نہیں کہتے تو جواب ملا کہ: اَبَعْدَ الْقُرآن یعنی قرآن کے نزول کے بعد میری یہ مجال کہ میں شاعری کے میدان میں طبع آزمائی کروں ۔ طفیلؓ دوسی یمن کے رہنے والے خود قادر الکلام شاعر ۔ جب مکّہ آئے تو قریش کے بہکانے پر کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ مبادا کانوں میں کلام اللہ پڑ جائے ۔ لیکن ایک دن خود ہی رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سننے کی فرمائش کرتے ہیں اور جیسے ہی کچھ حصہ سُنتے ہیں ۔۔ بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ بے شک یہ وحی الٰہی ہے ۔ اور اسی وقت مسلمان ہو جاتے ہیں ۔ الغرض اس کتاب کے طفیل جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے، جو اُمّی تھے ان پڑھ تھے وہ دُنیا کے لئے معلّم بن گئے ۔ جو زانی و شرابی تھے ۔ وہ عصمتوں

کے محافظ اور مکارمِ اخلاق کے علمبردار بن گئے ۔ یہ سب کچھ قرآن کی معجز نمائی تھی ۔ میری اسی گفتگو کا نتیجہ بھی یہ نکلا کہ :۔

گویا دعوت و انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہجِ عمل پورا کا پورا قرآن مجید کے گرد گھومتا ہے ۔ یا سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیا جائے کہ

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا آلۂ انقلاب ہے قرآن حکیم!

اس بات کو مولانا حالی مرحوم نے تو نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں یوں بیان کیا کہ ؎

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا — اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وُہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

اسی بات کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں سمو دیا کہ ؎

مُصطفٰے اندر حرا خلوت گزیں — قوم و آئین و حکومت آفریں

پھر علامہ مرحُوم نے حد درجہ پُرشکوہ الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ :

گر تو خواہی مُسلماں زیستن — نیست ممکن جُز بقرآں زیستن!
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو — زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

اب ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے ۔ اگر کوئی دعوت اس قرآن سے پرے پرے دی گئی ہو ـــ قرآن کو BY PASS کرکے دی گئی ہو ـــ قرآن کے بجائے کسی شخصیت کے لٹریچر کے بل پر چل رہی ہو ـــ کسی اور کی تصانیف پر چل رہی ہو، وطنیت و قومیت کے نام پر چل رہی ہو تو وہ اُسوۂ رسُول سے ہٹی

ہوئی ہے - اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہنا — اسوۂ رسول کیا ہوگا! وہ یہ ہوگا کہ دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر، تلقین و نصیحت ان سب کا مبنیٰ، مدار، مرکز و محور صرف اور صرف قرآن ہوگا — اسوۂ حسنہ کے ضمن میں تیسری بات یہ نوٹ کر لیجئے -

اَب آئیے چوتھی بات کی طرف — وہ ہے **تربیّت** - یہ معاملہ سب سے زیادہ تکلیف دہ معاملہ ہے - تزکیۂ نفس کے بارے میں تو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ شاید اس کے لئے یہ قرآن تو مفید ہے ہی نہیں — یہ کتاب اللہ اس کام کے لئے مؤثر ہی نہیں ہے - لہٰذا ذکر کے طریقے کچھ اور ایجاد کرنے پڑیں گے تربیت کا کوئی دوسرا نظام بنانا پڑے گا - نبی اکرمؐ کا اُسوہ تو اس کے لئے مکمل رہنمائی نہیں کر سکتا - اس کے لئے دلیل یہ دی گئی ہے کہ آنحضورؐ کی شخصیت کا جو اثر ہوتا تھا وہ اب ہمارے لئے ممکن نہیں ہے چونکہ آپؐ کا وجود قدسی ہمارے درمیان موجود نہیں لہٰذا اس کے لئے کچھ اور طریقے سوچنے اور اختیار کرتے ہوں گے - اس حلقے میں جو دیانت دار اور خدا ترس لوگ ہیں، وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ جو چیزیں اور طریقے ہمارے ہاں تربیت، تزکیہ اور سلوک کے رائج ہیں، وہ مسنون بہرحال نہیں ہیں، تصوف کے جتنے بھی دین سے قریب تر سلاسل ہیں، وہ سب اس بات کو مانتے ہیں — دیانت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کریں — ہم کہاں سے دلیل لائیں گے کہ ضربیں لگانے کے طریقے کو مسنون ٹھہرا سکیں - یہ بات بہرحال نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے — جو حضرات اس کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ جو عذر و معذرت (PLEA) لاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ان طریقوں کو انہوں نے اپنے تجربات میں مفید پایا ہے — ٹھیک ہے، مجھے اس سے انکار نہیں — ایسا ممکن ہے کہ یہ طریقے مفید ہوں - لیکن یہ مانیے اور اس کا اعلان بھی کیجئے کہ یہ طریقے مسنون نہیں ہیں - یہ طریقے اُسوۂ محمدی

علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مطابقت نہیں رکھتے ۔ کیا ایسے حضرات کا یہ خیال ہے کہ جناب محمدؐ نے تزکیہ نہیں کیا! صلیٰ اللہ علیہ وسلّم۔ قرآن حکیم میں تین مقامات پر تلاوت کے بعد تزکیہ ہی کا ذکر آتا ہے ۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ ۔

اس تزکیہ کا ذریعہ کیا ہے ؟ دعوت و تبلیغ کا مدار اور انذار و تبشیر کا مرکز و محور قرآن ہے اور تذکیر و نصیحت کا مبنیٰ بھی قرآن ہی ہے، اس بات کو تو آپ نے قرآن کی آیات ہی سے سمجھ لیا ۔ اس کے سمجھنے کا معاملہ آسان ہے البتہ تزکیہ کا معاملہ تھوڑا سا باریک ہے ۔ تزکیہ و تربیت کے لئے بھی آپکو ہر حال میں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔ آیئے اس بات کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ سورۂ یونس میں فرمایا : یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۔ "اے بنی نوع انسان! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظہ (بہترین نصیحت) آگئی ہے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کے لئے شفاء بھی ۔" پس یہ آیت اس امر پر نص ہے کہ دل کے تمام امراض دینیہ و اخلاقیہ کے لئے شفاء یہ قرآن مجید ہے ۔ ذکر یہ قرآن ہے : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ (الحجر) جو ذکر اس کو BY PASS کرے گا ۔ اس کے متعلق میں کم سے کم یہ کہونگا کہ وہ غیر مسنون طریقے پر عمل کر رہا ہے ۔ امراض قلبیہ و صدریہ کا علاج اس سے علیحدہ کیا جائے گا تو وہ اُسوہ رسولؐ کے مطابق نہیں ہوگا ۔ اپنی جگہ مؤثر ہوا کرے ۔ بہرحال وہ اُسوۂ رسول کے نقشے سے ہٹا ہوا ہے ۔

دیکھئے ہمارے یہاں ایک ہے 'وعظ' ۔ یہ لفظ وعظ ہمارے یہاں فی الوقت گالی بن گیا ہے ۔ لوگ پھبتی چست کرتے ہیں، لوجی وعظ کہہ رہے ہے

ہیں۔ گویا بہت گھٹیا سی بات کہی جارہی ہے۔ یہ دَور دَور کی چھاپ ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں ایسے وعظ ہُوا کرتے تھے جو بہت مؤثر ہوتے تھے۔ سامعین ان سے اپنے قلوب میں گداز اور ایک روشنی محسوس کرتے تھے، ان کے جذبات کو جِلا ملتی تھی۔ اب یہ وعظ گالی بن گیا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں میری یادداشت کے مطابق جو "وعظ" ہُوا کرتے تھے ان میں بھی قرآن نہیں ہوتا تھا (اِلّا ماشاء اللہ) اکثر وعظ 'مثنویٔ مولوی معنوی' کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ اس کی بھی ایک تاثیر تھی اس سے انکار نہیں۔ لیکن اکثر ہوتا یہی تھا، کہ ایک خاص ترنّم آمیز لہجے میں مثنوی کو پڑھا جاتا تھا۔ میرے ہوش کے زمانے میں اکثر وعظوں کی یہی نوعیت ہوتی تھی جو میں نے خود سُنے ہیں ـــ قرآن کہتا ہے کہ موعظہ حسنہ اور نصیحت یہ قرآن ہی ہے۔ دلوں میں اُترنے والی چیز یہ قرآن ہے، جذبات کو جِلا بخشنے والی چیز یہ قرآن ہے: قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ۔ ان حقائق کو علّامہ اقبال مرحوم نے اپنے زمانے میں خوب واضح کیا ہے جیسا کہ انہوں نے بہت سے قرآنی حقائق کی اپنے اشعار میں نہایت عمدہ، اعلیٰ و ارفع ترجمانی اور وضاحت کی ہے۔ چنانچہ اپنے دَور کے واعظین کے متعلق انہوں نے کہا ؏ معنی اُو پست و حرف اُو بلند ـــ الفاظ بڑے بھاری بھرکم اور معنی تلاش کرو تو ہیں ہی نہیں ـــ دھواں دھار بات ہے لیکن معنی سے بالکل خالی ـــ آگے علّامہ کہتے ہیں ؎

از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو　　　با ضعیف و شاذ و مُرسل کارِ اُو

اپنے وعظوں کے لیے حدیث لائیں گے تو کوئی بہت ہی ضعیف یا شاذ حدیث لائیں گے۔ واعظوں کی یہ بڑی کمزوری تسلیم کی گئی ہے کہ ان کے وعظ میں اکثر بیشتر کمزور ضعیف حدیثیں ہوتی ہیں۔ امام غزالی رحؒ اس سے نہ بچ سکے۔ "احیاء العلوم" جیسی کتاب بھی اس سے مبرّا نہیں۔ البتہ اس میں یہ بات

ہے کہ وہ کسی موضوع پر آٹھ حدیثیں صحیح درج کرنے کے بعد دو تین ضعیف حدیثیں بھی شامل کر دیتے ہیں۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا! شاید ان کا جی بھرتا نہیں تھا اور وہ چاہتے تھے کہ دو تین دلیلیں اور دُوں۔ حالانکہ وہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کچھ ضعیف احادیث بھی لے آتے تھے۔ لیکن ہمارے ہاں جو عام واعظین ہیں ان کا حال یہ ہے کہ ساری گفتگو اور وعظ کا مرکز و محور صرف ضعیف احادیث ہوگا۔ الّا ماشاء اللہ۔ وہ خطیب بغدادی کی ہوگی یا دیلمی کی ہوگی وہ شاذ ہوگی یا مرسل ہوگی یا ضعیف ہوگی ؎

از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو — باضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو

مطلب کیا ہے کہ اگر کسی چیز سے ہمارے واعظین کو اعتنا نہیں ہے تو وہ یہ قرآن ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رح نے اپنے والد مرحوم کے بے حد درجہ سادہ مگر پُر تاثیر اشعار، حواشی، ترجمہ قرآن میں درج کیے ہیں ؎

سُنتے سُنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو — کان بہرے ہو گئے دل بے مزہ ہونے کو ہے
آؤ سُنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی — کہ جس سے خاشعاً متصدّعاً ہونے کو ہے

میں ان اشعار کے حوالے سے ابھی کراچی میں یہ بات کہہ کر آیا ہوں جو مجھے اس وقت یاد آ گئی کہ ایک محفلِ سماع جناب محمد کی بھی ہوتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اس میں کیا سُنا جاتا تھا؟ قرآن — وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (الاعراف) "اور جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجّہ سے، دھیان سے کان لگا کر سُنو اور خاموش رہو"۔ حدیثِ صحیح موجود ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے مروی ہے کہ ان سے فرمائش کر کے نبی اکرم ص نے قرآن کریم سُننا چاہا تو انہوں رض نے عرض کیا کہ حضور ص آپ کو سُناؤں! آپ ص پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ لیکن آں جناب ص نے فرمایا کہ ہاں سُناؤ مجھے دوسروں سے سُن کر حظ اور لُطف

حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی اور جب اکتالیسویں آیت پر آئے تو حضورؐ نے روکا حَسْبُكَ، حَسْبُكَ۔ بس کرو، بس کرو۔ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے جب حضرت عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔ "پس سوچو کہ اُس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر (اے محمدؐ) تمہیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔" یہ ہے سماع جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ وعظ کا مقصد کیا ہے! جذبات کے اندر ایک حرارت پیدا کرنا۔ کیا یہ حرارت قرآن سے پیدا نہیں ہوتی؟ گویا اس طریقے سے تزکیہ نفس کے لیے تو غالباً یہ دنیا کی ناکام ترین کتاب سمجھی گئی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کی سب سے زیادہ ناقدری اس کوچے میں آکر ہوئی ہے اس کا مرثیہ بھی اقبالؒ نے کہا ہے ؎

صوفیِ پشمینہ پوش حال مست — از شرابِ نغمہ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش — در نمی سازد بقرآں محفلش

عراقی کا جامی کا یا رومی کا شعر سنیں گے تو حال میں آجائیں گے۔ قرآن سُنیں گے تو کوئی اثر ہی نہیں ہوگا بلکہ قرآن ان کی محفلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے۔ حالانکہ اگر جذبات کی جلا، ان میں حرارت اور سوز و گداز و کیف و سرور کی کیفیات مطلوب ہوں تو اس مقصد کے لیے بھی یہ قرآن ہے جو جناب محمد پر اُترا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے لیے بھی سب سے بڑا منبع و سرچشمہ قرآن مجید ہی ہے۔

اُسوۂ حسنہ کے ضمن میں اب تک قدرے تفصیل کے ساتھ میں نے جو اُسوے گنوائے ہیں، انہیں پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ پہلا اُسوہ ہے، دعوت و تبلیغ و انذار و تبشیر و موعظہ و تذکیر، ان سب کو جمع کر لیجئے ان سب کا مرکز و محور،

مبنیٰ و مدار ہے قرآن — دوسرا اسوہ ہے تزکیہ و تربیت، اس کی اساس، جڑ اور بنیاد بھی قرآن ہی ہے۔ ذکرِ قرآن۔ محفل سماعِ قرآن سے، وعظِ قرآن سے، تطہیرِ فکر قرآن سے ہوگی اور فکر کی تطہیر ہوگی تو اعمال خود بخود درست ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ انسانی شخصیت مجموعہ ہے فکر و عمل کا اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ بایں معنی کہ "گندم از گندم بروید جو ز جو" کے مصداق غلط فکر، غلط عمل ہی کو جنم دے سکتا ہے اور صحیح عمل کے لیے صحیح فکر لازم و لابد ہے گویا اگر کسی انسان کی فکر کی تطہیر ہو جائے اور غلط افکار و نظریات اور فاسد خیالات اس کے قلب و ذہن سے پت جھڑ کے پتوں کی طرح جھڑتے چلے جائیں تو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے برگ و بار بلا تکلف از خود نمایاں ہو جائیں گے۔ اسی عمل (PHENOMENON) کو قرآن حکیم "يُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" بھی قرار دیتا ہے اور "يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" بھی۔ اور یہی ربط و تعلق ہے اس میں کہ تلاوت آیات کے متصلاً بعد تزکیہ کا ذکر قرآن میں آیا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ — واللّٰہ اعلم۔

اب آئیے دوسرے مرحلے کی طرف یعنی تنظیم و ہجرت — تنظیم کے ضمن میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا اسوہ رہا ہے! اب اس مسئلہ کو ہمیں سمجھنا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ایسا فاتر العقل شخص اس مجلس میں نہیں ہوگا جو یہ سمجھتا ہو کہ تنظیم کے بغیر بھی کوئی اجتماعی کام ہو سکتا ہے! میں نے کراچی میں کہا اور آپ بھی سن لیجیے کہ اگر آپ کو لوگوں کی جیبیں کاٹنی ہوں تو بھی ایک تنظیم قائم کرنی پڑے گی۔ گرہ کٹوں کے بھی گروہ (Gang) ہوتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالنا ہو تو Gang بنانا ہوگا۔ سوشلزم لانا ہو تو آپ کو تنظیم بنانی ہوگی۔ اور اگر اسلام کے لیے کوئی کام کرنا ہے تو بھی تنظیم سے مفر نہیں ہے۔ اچھی طرح جان لیجیے لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ

یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ اور نبی اکرمؐ کا تو حکم ہے کہ اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ
بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِی
سَبِیْلِ اللّٰهِ ـــ ہمارا آج کا مزاج اس سے کافی بعید چلا گیا ہے۔ بڑے بڑے
اہلِ دانش و بینش اور صاحبِ علم و فضل کہتے ہیں" اجی جماعت کی کیا ضرورت ہے
کام تو ہم بھی کر ہی رہے ہیں۔ نماز اور روزہ تو ہو ہی رہا ہے۔ کسی کی کوئی خدمت
بھی کر دی جاتی ہے!" اگر واقعی کوئی کام کرنا ہے، اگر اسوۂ محمدی پیشِ نظر
ہے اور انقلابِ محمدی کو دنیا میں دوبارہ لانے کی سعی و جہد کرنی ہے تب تنظیم
سے رستگاری نہیں ہو سکتی۔ تنظیم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ آج کے دور کا سب
سے کٹھن کام یہی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید (سورہ مریم) میں عرب کے لوگوں کو قوماً
لُدّا کہا گیا ہے "یہ بڑی جھگڑالو قوم ہے۔" ہر ایک اپنی جگہ پر فرعون بے سامان ہے
کون کسی کی سنے گا! کون کسی کے سامنے سر جھکائے گا! آج کا دور بھی ایسا ہی دور
ہے کہ سب سقراط و بقراط ہیں۔ کون کسی کی سنے گا! لوگوں کے اپنے اپنے نظریات
ہیں، خیالات ہیں، اختلاف ہے، یہ ہے، وہ ہے۔ چنانچہ اس دور میں کسی نظم
کا پابند ہونا سب سے کٹھن کام ہے۔ کسی کی بات مانی جائے، کسی کا حکم مانا جائے،
خود کو کسی ڈسپلن میں دے دیا جائے، سمع و طاعت کا نظم قبول کیا جائے،
یہ بڑا مشکل اور اوکھا کام ہے۔ میرے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی جو قربانیاں ہیں۔ ان میں سب سے بڑا ایثار یہی تھا کہ اپنی شخصیت کی کامل
نفی تھی اور انہوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں گم
کر دیا تھا۔ حالانکہ بہت سے دنیوی اعتبارات سے وہ رضؓ نبی اکرمؐ سے
آگے تھے۔ حضورؐ کے پاس اپنا ذاتی سرمایہ کوئی نہیں تھا: وَوَجَدَكَ عَائِلًا
فَاَغْنٰی ۰ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جب غنی کیا ہے تو سرمایہ اہلیہ محترمہ کا تھا۔
(نقل کفر کفر نہ باشد) طائف والوں نے یہی طعنے تو دیئے تھے کہ اللہ کو ایک مفلس و
قلاش کے سوا اپنا نبی بنانے کے لیے کوئی اور نہیں ملا تھا۔ مکہ والے بھی کہا

کرتے تھے کہ اللہ کو نبی بنانا تھا تو دو عظیم شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی صاحبِ ثروت سردار کو بنانا تھا۔ حضورؐ کے پاس قریش کے اُس قبائلی نظام کا کوئی منصب نہیں تھا۔ اور ابو بکرؓ کے پاس سب سے زیادہ SENSITIVE اور سب سے زیادہ TOUCHY یعنی نازک اور بعید الاثر منصب، تھا۔ یعنی دیت کا فیصلہ کرنا آپؓ کے اختیار میں تھا کہ کسی مقتول کا کتنا خون بہا دیا جائے گا۔ گویا اُس معاشرے میں کسی کی معاشرتی حیثیت (SOCIAL STATUS) کے تعین کرنے کا کام آپؓ کے سپرد تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ اُس معاشرے کے قبائلی نظام میں حضرت ابو بکرؓ کو کیا مقام حاصل تھا! لیکن انہوں نے اپنی شخصیت کی ایسی نفی کی ہے اور اس طرح گم کیا ہے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں کہ "ابو بکر" تو نظر ہی نہیں آتے۔ نظر تو وہ آتا ہے، جو اختلاف کرتا ہے۔ ایسے شخص کی شخصیت علیحدہ اور جُدا نظر آئے گی جہاں کسی درجے میں اپنی بات کہی جائے۔ لیکن جس کی اپنی کوئی بات ہی نہیں ہے، جو خود کو گم کر چکا ہو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں، وہ کہاں نظر آئے گا! یہ ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا ایثار اور سب سے بڑی قربانی۔

آج جو سب سے بڑا خناس ہمارے دماغوں میں بیٹھا ہوا ہے وہ یہی انانیت ہے۔ کوئی نظم ہو گا اور کوئی تنظیم ہو گی تو بہر حال اس کے امیر اور اس کے نظام العمل کی پابندی بھی کرنی ہو گی۔ لہذا اپنے آپ کو اس "کھکھیڑ" سے بچانے کے لیے یہ فلسفہ تراش لیا جاتا ہے کہ "اجی کسی جماعت یا تنظیم کی ضرورت ہی کیا ہے، دین کا کام کسی نہ کسی درجے میں ہم بھی کر رہے ہیں جماعتیں اور تنظیمیں تو عموماً فتنہ بن جایا کرتی ہیں۔ اس لیے اس سے حذر ہی بہتر ہے۔" ان حیلوں سے دل کو مطمئن کر لیا جاتا ہے۔ لوگ سڑک پر چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود باہر نکلنا ترک نہیں کر سکتے۔ دل میں اصل چور یہی ہے کہ میں کیوں کسی کی مانوں۔ لیکن یہ

جان لیجئے کہ تنظیم و جماعت کے بغیر دنیا میں کبھی کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی روشنی میں مجھے تنظیم و ہجرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنظیمیں دو نوعیتوں کی تھیں۔ ایک تنظیم کی نوعیت تو یہ تھی کہ آپؐ کے بربنائے نبی و رسول جو شخص بھی آپؐ پر ایمان لے آیا اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو وہ خود بخود بحیثیت مُومن آپؐ کا مطیع و فرماں بردار ہو گیا، اور آپ سے آپ اس بڑی تنظیم میں شامل ہو گیا جس کو امّتِ مسلمہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب کسی دوسری تنظیم کی حاجت ہی نہیں — وہ حضورؐ کے احکام کا پابند ہے۔ اس سے سرمو انحراف کرے گا تو اس کا ایمان ہی سلامت نہیں رہے گا اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا دنیا میں وجود ممکن ہی نہیں ہے۔ دنیا میں ہر شخص کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اختلاف ممکن نہیں۔ اختلاف کیا تو ایمان کی خیر نہیں رہے گی۔ اختلاف کرنا تو دُور رہا، بات مان بھی لی ہے لیکن اگر دل میں کوئی اضطراب یا تنگی رہ گئی تو بھی ایمان کی خیر نہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (النسآء) "اے محمدؐ! آپؐ کے رب کی قسم یہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپؐ فیصلہ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔" آپ حضرات نے دیکھا کہ آنجنابؐ کے حکم تسلیم نہ کرنے پر ہی نہیں بلکہ آپؐ کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول نہ کرنے پر بھی ایمان کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ اپنی ذات تبارک و تعالیٰ کی قسم کھا کر نفی فرما رہے ہیں پھر دیکھئے سورۂ الحجرات میں فرمایا: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝" اے اہلِ ایمان! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ اُن سے گفتگو میں اپنی آواز کو اس طرح نمایاں کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بلند آوازی اختیار کرتے ہو مبادا تمہارے سارے اعمال حبط و برباد ہو جائیں۔ تمہارے اب تک کے کیے کرائے پر پانی پھر جائے اور تمہیں شعور و احساس تک نہ ہو۔" شعور و احساس جب ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ وہ نبی اکرمؐ کی کسی نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ غور کیجئے کہ یہاں نافرمانی حکم عدولی اور معصیتِ رسولؐ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا بلکہ مجرد سوئے ادب کی وجہ سے سارے اعمال کے حبط ہونے کی وعید سُنائی جا رہی ہے۔

اور آگے چلیے اور دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کے لیے کتنا محکم اور غیر مبہم ضابطہ و قانون بیان فرما دیا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ اسی ضمن میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی سُن لیجئے کہ: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں"۔ قرآن و حدیث کی یہ تعلیمات و ہدایات پیش نظر رکھیے اور غور کیجئے کہ اس سے زیادہ مضبوط کسی اور تنظیم کا آپ تصور کر سکتے ہیں۔!

اب خوب توجہ سے میری آج کی تقریر کا خلاصہ پھر سُن لیجئے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں نے اپنے فہم تک قرآن کا جو پیغام سمجھا ہے، وہی پیغام ہمیں احادیث میں ملتا ہے اور وہی پیغام ہمیں سیرت مطہرہ سے ملتا ہے۔ اسی بات کو میں نے آج اُسوۂ حسنہ کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اور وہ اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ:

آپؐ کی دعوت ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کسی تبلیغی، رفاہی، اصلاحی، علمی و تحقیقی اور سیاسی نوعیت کی نہیں تھی — بلکہ خالص انقلابی نوعیت کی دعوت تھی — یہ تمام کام اس میں بطور اجزاء شامل تھے۔ چنانچہ اس دعوت کے نتیجے میں جو انقلاب عظیم دنیا میں برپا ہوا، اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رونما ہوئی۔ عقائد و نظریات، سیرت و کردار، نظام حکومت و سیاست، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدن اور معاشرت و معیشت، الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

یہ انقلابی جدّوجہد خالص انسانی سطح پر قدم بقدم چل کر کی گئی اور ایک انقلابی جدوجہد کو جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ سب مراحل نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس انقلابی دعوت کو بھی پیش آئے۔ اللہ کی نصرت و تائید بھی حاصل ہوئی لیکن اُس وقت جب نبی اکرمؐ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی امکانی حد تک اس جدوجہد میں مثالی قربانی اور ایثار پیش کیا۔

آپؐ کی جدّوجہد جن مراحل سے گزری ان کو دو دو الفاظ کے جوڑوں کے ساتھ میں نے تین حصّوں میں منقسم کر کے قدرے تفصیل کے ساتھ آپؐ کے سامنے پیش کیا ہے۔

- پہلا مرحلہ ہے : دعوت و تربیت۔
- دوسرا مرحلہ ہے : تنظیم و ہجرت اور
- تیسرا مرحلہ ہے : جہاد و قتال۔

اس مختصر وقت میں، میں نے کوشش کی ہے کہ دعوت و تربیت اور تنظیم و ہجرت کے ضمن میں ضروری نکات آپ کے سامنے پیش کر دوں لہٰذا دعوت و تربیت کے مرحلے کے متعلق میں نے اس مختصر سے وقت میں آپ کے سامنے چند اہم نکات اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بیان کر دیے

تنظیم تو دعوتِ ایمان قبول کرنے والوں کی آپ سے آپ ہو جاتی تھی۔ چونکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کو رسول اللہ تسلیم کرنے کا لازمی تقاضا تھا کہ تمام اہلِ ایمان، ایک تنظیم، ایک جماعت اور ایک اُمّت بن جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بے چون و چرا اور تسلیم و رضا کی کیفیات کے ساتھ پیروی کریں لہٰذا ہجرت تو تنظیم کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ کچھ اختیار کرو گے تو کچھ ترک بھی کرنا پڑے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرلی ہے تو ہر اس چیز کو چھوڑنا ہو گا جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے۔ کسی سے جڑو گے تو کسی سے کٹو گے بھی۔ سیدھی سیدھی سی بات ہے۔ دین پر عمل کرنے کے باعث آج اپنے دوست سے کٹے تو کل اپنے بھائی سے کٹو گے۔ ہو سکتا ہے کہ بیوی سے بھی کٹنا پڑ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وقت بھی آجائے کہ ہر ایک چیز سے کٹنا پڑ جائے تو جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر پختہ یقین رکھتے ہیں، وہ کٹ جایا کرتے ہیں۔ وہ گھر بار کو حتّٰی کہ وطن کو بھی چھوڑ کر ایسے نکل جاتے ہیں جیسے جانتے ہی نہیں تھے کہ یہ ہمارا وطن تھا۔ لیکن! جو کسی اصول کی وجہ سے ایک دوست اور ایک بھائی سے نہ کٹ سکا وہ اللہ اور اس کے دین کے لیے اپنا وطن چھوڑ دے گا؟ جو ایک پیسے میں امین ثابت نہ ہو کیا وہ لاکھ روپے میں امین ثابت ہو گا؟ جو چھوٹا سا وعدہ پورا نہ کر سکے، وہ بڑے بڑے وعدے پورے کرے گا؟ یہ باتیں ناممکنات میں سے ہیں ــــ ہجرت تنظیم کے ساتھ بطور ضمیمہ منسلک ہے۔ پھر جہاد ہے، 'جہاد'، دراصل اس جدوجہد کا نام ہے کہ جس میں ایک بندۂ مومن باطن میں اپنے نفس سے اس کو اللہ اور رسول کا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لیے کش مکش کرتا ہے اور ظاہر میں دعوتِ حق کی تبلیغ کے لیے بھاگ دوڑ، سعی و کوشش اور اس کے قیام کے لیے محنت و مشقت بھی اسی جہاد میں شامل ہوتی ہے ــــ پھر قتال ہے، جب بھی اس کا مرحلہ آجائے تو ایک بندہ مومن اس کے لیے تیار بھی رہے اور

اس کی تمنا کو دل میں پرورش بھی کرتا رہے۔ حضورؐ کا ایک ارشاد ہے کہ جس دل میں اللہ کی راہ میں شہادت کی موت کی تمنا نہ ہو اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوتی ہے۔ (او کما قال)

سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کے آج کے درس میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے بعد والی آیت نمبر ۲۲ اور ۲۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○

" اور سچے مومنوں کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے (غزوۂ احزاب کے موقع پر) حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔[1] اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی؛ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے (یعنی وہ صبر و ثبات سے ڈٹے بھی رہے) اور ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکا اور کوئی اپنی باری آنے کا منتظر ہے"۔ اس آیت میں وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ ایک مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بڑے ذوق و شوق اور اشتیاق کے ساتھ اس بات کا منتظر رہے کہ کب وہ وقت آئے کہ وہ اللہ کی راہ میں گردن کٹا کر سرخرو ہو — چونکہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کی رُو سے اہلِ ایمان اللہ سے سودا کر چکے ہیں اور جنت کے عوض اپنا مال اور اپنی جان اُس کے ہاتھ بیچ چکے ہیں:

---

[1] اشارہ ہے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۵ کی طرف۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ
وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

" یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کے جان اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کے اس طرزِ عمل پر پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی، انجیل میں اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس آیت شریفہ میں لفظ "بیع" اس سے بیعت بنا ہے پوری جامعیت کے ساتھ قول و قرار اور عہد و پیمان کے لیے استعمال ہوا ہے — اس آیت کی رو سے مومنین تو اپنے مال اور اپنی جان اللہ کے ہاتھ بیچ چکے، اب جب بھی یہ مرحلہ آئے — اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب آئے گا۔ البتہ سنت اللہ اور اسوۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے یہ بات بالکل ظاہر و واضح ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق، تکبیرِ رب اور اظہار دین الحق علی الدین کلہ کی انقلابی جدوجہد میں یہ مرحلہ آ کر رہتا ہے — یہ ہے اسوۂ رسول:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

آگے کے مراحل کے بارے [illegible] کچھ نہیں کہہ سکتا، جو لکھا ہے وہ [illegible] کرتا ہے — کچھ پتہ نہیں کہ کب کیا [illegible] اور کیا صورت حال پیدا ہو جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دعوت دیتا رہے اور اسی میں اس کی

زندگی تمام ہو جائے اور اس کو ایک ساتھی بھی نہ ملے۔ نبیوں میں یہ بھی ہوا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی جگہ تمکن عطا فرما دے۔ اس کا دارومدار ہماری سوچ پر نہیں ہے۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔ مدینہ کی کھڑکی تو اللہ نے خود کھولی۔ مکہ میں اہلِ یثرب کے چھ اشخاص ایمان لے آئے۔ اگلے سال بارہ آدمی آ گئے اور اس سے اگلے سال پچھتر آ گئے اور بیعتِ عقبہ ثانیہ منعقد ہوئی۔ پھر نبی اکرمؐ کے قدم مبارک ابھی وہاں پہنچے بھی نہیں ہیں کہ مدینہ آغوش و دار الہجرۃ بن رہا ہے اور حضورؐ کی تشریف آوری کا بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار کر رہا ہے۔ اور استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں — اور مکہ جہاں حضورؐ بہ نفسِ نفیس تیرہ برس سے دعوت دے رہے ہیں، وہ خون کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ کون سے حساب کتاب میں یہ چیز آتی ہے! یہ مشیّتِ الٰہی ہے۔ آگے کے بارے میں کوئی لال بجھکڑ بن کر کہے کہ یوں ہوگا اور وہ یوں ہوگا تو اس سے بڑا احمق اور کوئی نہیں — وہ تو اللہ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے — ہم اسوۂ رسول کے راستے پر چلنے کی کوشش کریں گے اگر اخلاص ہمارے شاملِ حال رہا تو اس راہ میں پوری زندگی کھپا کر یا سر کٹا کر دنیوی اعتبار سے ناکام ہو جانا بھی ہمارے لیے کامیابی ہے — اور کامیاب ہو گئے تو پھر تو کامیاب ہی کامیاب ہیں۔ اسی کو قرآن "حُسْنَیَیْن" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس راہ میں آخرت کے اعتبار سے ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں — بالاکوٹ کے میدان میں راہِ حق میں سر کٹانے والے کیا ناکام ہوئے! ہرگز نہیں ان کی کامیابی پر تو فرشتے رشک کرتے ہوں گے۔ وہ تو شہادت کے مرتبے پر فائز ہیں، جو انبیاء اور صدیقین کے بعد آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

اسوہ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے میں نے دین کے انقلابی پیغام کے لیے دعوت و تربیت، تنظیم و ہجرت، اور جہاد و قتال کے

مراحل اور ان کے مقتضیات ولوازم آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ تنظیم کی ضرورت کی دلیل اس حدیث شریف کے حوالے سے بھی آپ کے سامنے آچکی ہے کہ: اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ "میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: جماعت کا اور سمع وطاعت کا اور اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کا۔" اگر یہ حدیث برحق ہے اور یقیناً برحق ہے تو اچھی طرح جان لیجئے کہ واقعہ یہ ہے کہ نظم جماعت کے بغیر زندگی بسر کرنا خلافِ سنّت زندگی ہے۔ اسی بات کی وضاحت کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا تھا: لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ۔

ماحصل کلام یہ نکلا کہ رضائے الٰہی کے حصول اور اسوۂ رسول کی پیروی کے لیے جب تک ایک مسلمان اپنے آپ کو کسی ایسی تنظیم کے حوالے نہ کر دے جو ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کے لیے قائم ہو، اس تک اس کی زندگی بحیثیت مجموعی سُنّت کے مطابق نہیں ہوگی اور بات وہی ہوگی جو حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ مچھر چھانے جائیں گے اور سموچے اونٹ نگلے جائیں گے۔

اسی بات کو قرآن حکیم سے سمجھنا چاہیں تو تھوڑے سے غور و تدبر کے بعد ان شاء اللہ سورۂ آلِ عمران کی یہ آیتِ مبارکہ تنظیم کی ضرورت اور اس کی دعوت کے تین اہم نکات دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو سمجھنے کے لیے کفایت کرے گی۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اقول قولی ھٰذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

قدرت کے طبعی اور تمدّنی قوانین اور ایمان و اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اقبال

تقدیم

ڈاکٹر اسرار احمد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

پیش نظر تحریر ایک ایسے دردمند اور مخلص مسلمان تاجر کی سالہا سال کی کاوش کا نتیجہ ہے جو نہ عالم و فاضل ہونے کا مدعی ہے، نہ ہی اپنا نام مصنفین و مؤلفین کی فہرست میں درج کرانے کا خواہش مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا نام منظرِ عام پر لانے کے لئے بالکل ہی تیار نہیں ——— !

یہ تحریر اولاً ان کے قلم سے نکلی، پھر متعدد اصحابِ علم و فضل کی نگاہ سے گذری، جنہوں نے لفظی و معنوی دونوں طرح کی اصلاحات تجویز فرمائیں، اور بالآخر راقم الحروف کے پاس پہنچی اس درخواست کے ساتھ کہ اس پر آخری نظر ڈال کر جہاں ضروری سمجھوں مناسب تصحیح کر کے شائع کر دوں! ——— اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ کام میری طبیعت سے زیادہ مناسبت نہ رکھتا تھا پھر میری شدید مصروفیت بھی اس میں مانع تھی ۔ لیکن چونکہ میں اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر صاحبِ مضمون کے اخلاص کا دل سے معترف ہوں ۔ لہٰذا جیسے بھی بن پڑا میں نے اس فرمائش کی تعمیل کی جس کے نتیجے کے طور پر یہ تحریر میری نظر ثانی کے بعد قارئین 'حکمت قرآن' کی خدمت میں پیش ہے!

جہاں تک اس کے نفسِ مضمون کا تعلق ہے میری رائے میں یہ بحالتِ موجودہ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی دو انتہاؤں کے مابین نقطۂ عدل اور راہِ اعتدال کی جانب راہنمائی کرتا ہے یعنی ایک جانب اعتزالِ جدید کا انداز ہے کہ خوارق و معجزات کو بھی طبعی قوانین کے تحت لانے کے لئے الٹی سیدھی تاویلیں اور توجیہیں کی جائیں اور دوسری جانب ہمارے عوام کا طرزِ عمل ہے کہ گویا خوارق و معجزات ہی پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور اخلاق و عمل کے میدان میں محنت و کوشش سے جی چرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو بہانہ بنا رکھا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

پتہ نہیں نام کیا ہے اسکا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

صاحبِ مضمون کا ارادہ ہے کہ اس تحریر کو اوّلاً لاکھوں کی تعداد میں طبع کرا کے پاکستان کے ہر پڑھے لکھے شہری تک مفت پہنچا دیا جائے اور پھر اگر ممکن ہو تو اِسے ہائی کلاسز کے کورس میں شامل کرا دیا جائے۔ اور اس کا اہتمام کر دیا جائے کہ طلبہ کو یہ لاگت سے بھی کم قیمت میں دستیاب ہوتی رہے —— اور الحمدللہ کہ انہیں اللہ نے اتنی استطاعت دی ہے کہ وہ اپنے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

بنا بریں اصحابِ علم و فضل سے درخواست ہے کہ اگر وہ اس میں کہیں کوئی پہلو قابلِ اصلاح پائیں۔ تو راقم الحروف کو مطلع فرما دیں تاکہ زیادہ بڑی تعداد میں اشاعت سے قبل ضروری اصلاح کی جا سکے — !

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

ایمان و اسلام

ایمان عبرانی اور عربی زبان کا لفظ ہے۔ عبرانی زبان میں ایمان کے معنی غیر متزلزل یقین کے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ اَمن سے مشتق ہے جس کے معنی سکون، اطمینان اور بے خوفی کے ہیں ایمان کے لفظی معنی کسی کو امن دینے کے ہیں، اور جب 'ب'، یا 'ل'، کے حروف (PRE POSITIONS) کے ساتھ متعدی بنایا جاتا ہے تو اس کے معنی تصدیق یعنی کسی کی بات مان لینے کے ہو جاتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد یہ لفظ اپنے محدود لغوی معنی سے اُبھر کر ایک عظیم و وسیع اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگا جس سے مراد اُن ماورائی حقائق کی تصدیق ہے جن کی خبر نبیوں اور پیغمبروں نے دی ہے۔ ایمان کا محل قلبِ مومن ہے۔ اطمینان قلب اور یقینِ محکم دل کی مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کا اقرار تو زبان سے ہوتا ہے لیکن اس کا عملی مظہر یعنی اس کے وجود کی دلیل وہ اعمالِ حسنہ ہیں جن کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام کے نظام کو اگر ایک عمارت سے تعبیر کیا جائے تو ایمان اس عمارت میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمان نہ ہو تو اسلام کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ جس عمارت کی بنیاد کمزور ہو یا سرے سے کوئی بنیاد ہی نہ ہو اس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پائیدار اور مضبوط وہی عمارت ہوتی ہے جس کی بنیاد پائیدار اور مستحکم ہو۔ اسی طرح مضبوط ایمان کی بنیاد پر ہی اسلام کی عمارت

تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہم چند مثالوں سے کرتے ہیں۔

اگر ایمان کو جڑ سے تشبیہ دی جائے تو یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کمزور جڑ کا درخت مضبوط اور تناور نہیں ہوتا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس کے برعکس مضبوط جڑ کا درخت تناور اور محکم ہوتا ہے جو شدید طوفان کے مقابلہ میں بھی جما رہتا ہے۔ ایسی ہی صورت آج کے دور میں ایمان اور اسلام کی ہے۔ ہمارا ایمان کمزور ہے۔ لہٰذا اس درخت کے برگ و بار یعنی اسلامی اعمال بھی بے رُوح اور بے نتیجہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہماری بڑی کوتاہی یہ ہے کہ کمزور ایمان کو پختہ کئے بغیر اسلامی احکام کی بجا آوری کی اُمید رکھتے ہیں۔ جن اسلامی ارکان کی تعمیل میں نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے یا دنیاوی مفادات کو ترک کرنا پڑتا ہے وہاں ایمان کی کمزوری کے باعث ہم ثابت قدم نہیں رہ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات مفاد پرستی کا ایک معمولی سا جھونکا ہمارے ایمان کو متزلزل کر ڈالتا ہے اور ہمارے اسلام کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ مفادِ عاجلہ یعنی اس دنیوی زندگی کے عارضی اور ادنیٰ مفاد کے ہلکے سے طوفان کی ایک لہر ہمارے کمزور ایمان کو بہا لے جاتی ہے۔

اگر ایمان کو بیج سے تشبیہ دی جائے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب زمین میں بیج بویا جاتا ہے تو تمام کارخانۂ ہستی اس کے نشوونما میں لگ جاتا ہے۔ سورج اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دیتا ہے، بادل بارش سے اس کو مالا مال کر دیتا ہے، زمین اس کو نمو دیتی ہے، ہوا اپنا کام انجام دیتی ہے، لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے کہ خود بیج کے اندر صحیح استعداد موجود ہو۔ ورنہ پھر یہ تمام کارخانہ بخشش اس کے لئے بیکار ہو گا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھتے ہوئے بھی اُسے گرم نہ کر سکے گا۔ بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے۔ جب بھی اُسے زندگی کی

رطوبت حاصل نہ ہو سکے گی۔

پھر ایک صالح بیج زمین میں جب اپنی جگہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کے اندر آنے والی ہستی کی ساری وسعتیں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے اور اُس کے ہزاروں پھول اور پھل اس بیج کے اندر بالقوّہ موجود ہوتے ہیں۔ یہ بیج نشو و نما کے مختلف مرحلوں سے گزر کر جب زمین کی سطح چاک کر کے اُبھرتا ہے اور پھر ایک تناور درخت بنتا ہے تو ہم اُس کی ہستی کا اعتراف تو کرتے ہیں۔ لیکن اِدھر خیال نہیں جاتا کہ یہ سب اُس صالح بیج کا ظہور ہے جو زمین میں بو یا گیا تھا۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس ایمان کا فطری مزاج ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں میں ہونا چاہیئے۔ ایمان ایک تخم ہے جو قلب انسانی میں جڑ پکڑتے ہی اپنی فطرت کے مطابق عملی زندگی کے ایک پورے درخت کی تخلیق شروع کر دیتا ہے اور اس درخت کے تنے سے لے کر شاخ، پتے اور پھل میں اخلاق کا وہ جیون رس جاری وساری ہو جاتا ہے جس کے سوتے تخم کے ریشوں سے اُبلتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں بو یا تو گیا ہو خدا پرستی کا بیج اور اس سے رونما ہو جاتے ایک مادہ پرستانہ زندگی کا درخت اگر ایک تاجر خدا پرست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تجارت میں سچائی نہ ہو۔ اگر ایک جج خدا پرست ہے تو عدالت کی کرسی پر اور ایک پولیس مین خدا پرست ہے تو پولیس پوسٹ پر اس سے غیر خدا پرستانہ اخلاق ظاہر ہی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم خدا پرست ہے تو اس کی شہری زندگی،

ملکی انتظام، خارجی سیاست اور اس کی صلح و جنگ میں خدا پرستانہ اخلاق کی نمود ضرور ہونی چاہیئے - ورنہ اُس کا ایمان باللہ محض ایک لفظِ بے معنیٰ ہے - اور ایک جسم ہے جس میں کوئی جان نہیں!

موجودہ ایٹمی دور میں انسان کی فکری پرواز کی کوئی انتہا نہیں رہی ہے اور اس کی ذہنی و فکری صلاحیتیں بہت اُبھر گئی ہیں - تحقیق و جستجو کا عمل زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما ہے - میکانیکی و ٹیکنیکی ترقی نے انسان کو ایک ایسے دَور میں داخل کر دیا ہے جہاں تحقیق و جستجو کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے - ان حالات میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سنجیدہ مسائل پیدا ہوئے ہیں ان مسائل میں سرفہرست یہی مسئلہ ہے کہ ایمان کی حقیقت کو مؤثر و بلیغ اسلوب کے ساتھ مشاہدے کے انداز میں کس طرح پیش کیا جائے کہ ہم میں احساس زیاں پیدا ہو سکے اور ہم اپنے ایمان کا جائزہ لینے کی ہمت کر سکیں - نئی ایجادات نے عقلِ انسانی کو حیرت زدہ کر دیا ہے - نوجوان نسل کے سامنے مادّی ترقی کا ایک ایسا سحر انگیز اور پُرکشش ماحول پیدا ہو گیا ہے جس میں مذہب اور دین کی باتیں فرسودہ اور بے سود سی دکھائی دینے لگی ہیں - اس ناخداشناس ماحول نے مسلمانوں کو اسلام اور اس کے تقاضوں سے دُور کر دیا ہے اور ان کے اور دینی تقاضوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے - ان حالات کے پیشِ نظر اگر ہم نے ایمان اور اُس کے تقاضوں کو واضح اور قابل فہم انداز میں پیش نہ کیا تو مسلمانوں کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مزید محدود اور مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور اس ترقی یافتہ دور میں بھی ہم نہ صرف یہ کہ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ آج تو مذہب کے معاملے میں ہم کسی سے صاف اور کھلی بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں ڈر ہے کہ کل کو ہماری آئندہ نسل آہستہ آہستہ مذہب سے کھلم کھلا سرکش اور باغی نہ ہو جائے

اس لئے ہمیں ایمان کا مطلب واضح اور متعین طور پر سمجھنا اور دوسروں کو بتانا ضروری ہے۔

ایمان کا مفہوم سمجھنے کے لئے کائنات کا صحیح اندازہ ضروری ہے کیونکہ کائنات کی عظمت کے علم سے ہی ہم کو خالق کائنات کی عظمت کی طرف صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ تعالےٰ پر ایمان کا صحیح فہم ہم میں تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب ہم اللہ تعالےٰ کی ذات، اُس کی عظمت اور اسکے مقرر کردہ قوانین کی پختگی سے پوری طرح واقف ہوں۔ اسی لئے اپنی عظمت اور کبریائی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انفس و آفاق یعنی ہمارے اپنے اندر کی دُنیا اور باہر کی ساری کائنات کے مُطالعہ پر زور دیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم و بیش سات سو آیات نازل ہوئی ہیں۔ اور بے شمار نفسیاتی حقائق سے استشہاد کیا گیا ہے۔

جسمِ انسانی

اس کائنات میں سب سے بڑی حقیقت اور خالقِ کائنات کا شاہکار خود انسان کا اپنا وجود ہے جو اپنے جسم و جثہ کے اعتبار سے گو چھوٹا سا ہے مگر اس کی ساخت پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عجیب و غریب کائنات کو اس میں سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے - چند اعضاء کا مجموعہ انسان درحقیقت اپنے اندر ایک عالم کو سموئے ہوئے ہے جسے انسان خود سمجھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے لیکن پوری طرح آج تک نہیں سمجھ سکا - آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ ایک مکعب سنٹی میٹر میں ۲½ کروڑ حیواناتِ منویہ ہوتے ہیں اور عام حالات میں ایک اخراج میں کئی مکعب سنٹی میٹر کے بقدر مادۂ تولید خارج ہوتا ہے ان کروڑوں حیوانات منویہ میں سے صرف ایک خلیہ بیضہ دان میں نفوذ پاتا ہے جو انسان کی تخلیق کا موجب بنتا ہے - انسان کا جسم مکان کی اینٹوں کی طرح چھوٹے چھوٹے خلیات سے ملکر بنا ہے ایک عام اوسط درجے کے انسانی جسم میں ان خلیات کی تعداد ایک کروڑ کھرب کے قریب بتائی جاتی ہے اور عجیب تر، حیران کن بات یہ ہے کہ ایک ہی خلیے سے یہ تمام اربوں کھربوں خلیے بنے ہیں، یعنی ایک ہی اینٹ سے سارا مکان بنا ہے ایک ہی اینٹ سے چھت، دیواریں، دروازے، کھڑکیاں، فرش، کھڑکیوں کی سلاخیں - کسقدر حیران کن ہے ایک خلیہ سے اربوں مختلف خلیات کا وجود - حالیہ دریافتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی خلیئے ایک فصیل بند شہر کی طرح ہیں - اس کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بجلی گھروں کی طرح عضریٹ کام کرتے ہیں اسکی

فیکٹریوں میں (پروٹین) لحمیات تیار ہوتے ہیں اُس تیار شُدہ سامان یعنی کیمیاوی اجزاء کو جسم کے تمام حصّوں میں پہنچانے کیلئے ایک مواصلاتی نظام بھی ہے خطرہ یا گزند پہنچنے پر اس کے سدباب کے لئے دفاعی اقدامات اور احکام صادر ہوتے ہیں خلیئے مختلف شکل اور جسامت اور مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اُنمیں نازک خلیئے بھی ہیں جنکی لمبائی ۱/۲۵ سنٹی میٹر اور چوڑائی ایک سنٹی میٹر کے لاکھویں حصّے کے برابر ہے - بات صرف خلیوں پر ہی ختم نہیں ہوجاتی، خلیوں کے اندر پورا نظام حیات ہے جسے سائنس نے پچھلے ۲۵ سالوں میں ڈھونڈ نکالا ہے اور GENES یعنی جینیات کی پوری سائنس اُبھر کر سامنے آئی ہے - دادا، پر دادا، نانا، پرنانا اور ماں باپ سے ہی جین کس طرح بچے میں آتے ہیں اور وُہ کالا یا گورا ہوتا ہے اسکی آنکھیں نیلی یا بھوری یا سیاہ ہوتی ہیں اسکے بال کالے بھورے یا سنہری ہوتے ہیں یہ ساری خصوصیات بچے تک اس کے کئی پشتوں کے جین لاتے ہیں - ساری خصوصیات ان ہزار ہا جین کے اندر پنہاں ہوتی ہیں جو خلیہ اپنے اندر چھپاتے ہوتا ہے - اب تو بیالوجی کے ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک خلیئے (CELL) کو لیکر اسے بیضوی یا تخمی جرثوموں میں کاشت کیا جائے تو سالمے کے مرکز یا اصل کا کھوج لگ سکتا ہے لیکن یہ قطعی طور پر ممکن نہیں کہ انسان کی طرح کے عاقل انسان کی پیدائش کے محرکات یا ماحول کے کیمیائی مرکبات تیار کر لئے جائیں -

انسانی نظام جسم یا ڈھانچہ ۳۰ تیس کروڑ کیمیائی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے اسکی مثال یوں ہے کہ اگر آپ ان اعداد و شمار پر مشتمل اجزاء کو لفظوں میں لکھنا چاہیں تو اس سے دس ہزار ضخیم کتابوں کی ایک لائبریری بن جائے گی اور اگر اس کی تفصیل لکھنا چاہیں تو یہ بہت مشکل کام ہوگا کیونکہ انسانی عقل انسان کے میکانکی نظام کو سمجھنے سے قاصر ہے - سائنس نے ہماری عقل و دانش اور علم کو بڑھانے میں

بہت کچھ کیا ہے لیکن کیا کوئی سائنسدان اس بارے میں دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے انسان کی ابتدا، یا اصلِ انواع کا کھوج لگا لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر ہم صرف اسی مکمل نظام پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عظمتِ شان نظر آتی ہے اور اس نظام کی باریکی، پختگی کا قدرے اندازہ ہوتا ہے۔ خود انسان کا اپنا جسم ہی خدائے علیم و خبیر کی قدرت حکمت اور خلاقی کی روشن دلیل ہے ہم جتنا جتنا اپنے جسم کے خلیات کی ان دریافتوں پر غور و فکر کرتے ہیں اتنا ہی ہمیں اپنے خالق کی بے پایاں قدرت کا یقین مستحکم حاصل ہوتا ہے اور اسی یقین کا نام ایمان ہے۔

کائنات

اس سے آگے کائنات کو دیکھئے - ایک کروڑ کھرب خلیات سے تخلیق شدہ انسان ہزاروں سال قبل اپنے گرد و پیش سے آگے کی معلومات بھی نہ رکھتا تھا وُہ دنیا اور کارخانۂ کائنات کو اتنا ہی بڑا تصوّر کرتا تھا جتنا کہ اس کو دکھائی دیتا تھا - ہر بلند چیز مثلاً پہاڑ - چاند سُورج یا نقصان رساں اشیاء مثلاً زلزلہ بجلی کا کڑکا سیلاب ، آندھی وغیرہ سے ڈر کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا تھا - اور انہیں اپنا خدا سمجھ بیٹھتا تھا - اللہ نے مسلسل رسول بھیج کر انسان کو بتایا کہ کرّۂ ارض کی ہر شے کو صرف تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ہمت کر کے آگے بڑھو اور ان کو اپنے فائدے کیلئے مسخر کر لو - دورِ جدید میں انسان نے ان اشیاء کا اتنا علم حاصل کر لیا ہے کہ وہ پہاڑ، سمندر اور ہوا کی حدود سے نکل کر خلا میں داخل ہو گیا ہے جہاں ہوا ہے نہ پانی اور کششِ ارضی بھی برائے نام - نہ صرف یہ بلکہ اب تو اس نے نظامِ شمسی کے زیادہ تر سیاروں پر کمند پھینک دی ہے اور نظامِ شمسی سے بھی آگے نکلنے کی کوشش ہو رہی ہے - جن چیزوں کو انسان پہلے سجدہ کرتا تھا - انہیں اب بہت معمولی سمجھنے لگا ہے ان اشیاء سے بہت بڑی بڑی چیزیں اس کو دکھائی دینے لگی ہیں کرّۂ ارض پر بکھری ہوئی اشیاء اور فضاء میں بہت سے نظر آنے والے ستارے اب اسکی نظر میں کچھ زیادہ ہیبت ناک نہیں رہے - لامحدود خلا میں وُہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ عظیم حقائق کا سراغ پا چکا ہے اور مزید کا سراغ لگانے کے لئے سرگرداں اور رواں دواں ہے -

جس زمین، چاند اور سورج کو ہم کل کائنات سمجھتے تھے وُہ سارا نظامِ شمسی کُل کائنات کے ایک بڑے محیط میں صرف ایک ذرّہ کے برابر نکلا۔ انسان نے جب تحقیق کی اور زمین سے آسمان تک کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا تو خدا کی عظمت کے بے شمار نشان نظر آئے ہماری زمین جس نظامِ شمسی میں شامل ہے اسکی وسعت کا یہ حال ہے کہ ہماری زمین کا قطر تو کُل بارہ ہزار سات سو چھپّن کلومیٹر ہے جب جو پیٹر (JUPITER) کا قطر ایک لاکھ بیالیس ہزار سات سو چھپّن کلومیٹر ہے اور زمین کے مرکز یعنی سُورج کا قطر ۱۴ لاکھ کلومیٹر ہے یعنی زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا قطر کی یہ وسعت تو کچھ بھی نہیں جبکہ اسکے بالمقابل اگر ایک لاکھ کو ۹۵ کھرب سے ضرب دیا جائے تو اس کے حاصل ضرب کے برابر کلومیٹر کا قطر ایک کہکشاں کا ہے جسکا عرض ۲۰ ہزار × ۹۵ کھرب کلومیٹر ہے اسس کو MILKY WAY یعنی دودھیا کہکشاں کے نام سے جانا جاتا ہے اس کہکشاں میں ہمارا نظامِ شمسی شامل ہے اس کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یعنی سو ارب ستارے پائے جاتے ہیں ہمارا پورا نظامِ شمسی اس کہکشاں کے ایک طرف پڑا ہے۔ ابتک انسانی مشاہدہ ایسی ایک سو ارب کہکشاؤں کا سراغ لگا چکا ہے اور ہر کہکشاں میں تقریبًا ایک کھرب ستارے ہیں۔

یہ تو تھا جسامت کا اندازہ، اب فاصلوں کا اندازہ کیجئے کہ زمین سُورج سے صرف ۱۵ کروڑ کلومیٹر دور ہے جبکہ نیپچیون (NEPTUNE) سورج سے ۴ ارب ۴۹ کروڑ ۵۰ لاکھ کلومیٹر دور ہے۔ پلیٹو کا سورج (PLUTO) سے فاصلہ پانچ ارب ۹۱ کروڑ کلومیٹر ہے یہ فاصلے اس وقت بہت معمولی رہجاتے ہیں جب ملکی وے (MILKY WAY) کا فاصلہ ۹۲ ہزار × ایک ہزار × ایک ارب کلومیٹر ہے اب تو کہکشانوں کے فاصلے جو متعیّن ہو رہے ہیں وہ ہندسوں یا لفظوں میں بیان نہیں کیے جا سکتے۔ شاید اس بات سے کچھ اندازہ لگایا جا سکے کہ

اضافیت کے حساب سے کائنات کتنی جگہ میں سمائی ہوئی ہے کہ مکعب سنٹی میٹر میں ایک کا ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے آگے ۸۴ صفر لگائیں یا اسی پیمائش کو مکعب کلومیٹر میں لیا جائے تو ایک کے آگے ۶۹ صفر لگائے جائیں تب حساب پورا ہو اس کے باوجود کائنات لامحدود ہے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جسامت اور فاصلوں کے اعداد وشمار سے آپ خدائے تعالیٰ کا خیال کیجئے کہ وہ کس قدر عظیم ہے۔ اور پھر سوچئے کہ کیا ہم خدا کو واقعتاً اتنا ہی عظیم سمجھتے ہیں؟

اب ذرا اور آگے بڑھیئے اور وقت کا اندازہ لگائیے۔ جدید زمانہ کے ریڈیائی ہیئت دانوں نے ایک کہکشانی نظام کا مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق اندازہ ہے کہ اس کی جو شعاعیں اس سے روانہ ہوئی ہیں وہ چار ارب نوری سال سے بھی پہلے اس سے روانہ ہو کر آج ہم تک پہنچی ہیں۔ ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لئے ہمارے اعداد وشمار ناکافی ہیں اس لئے نوری سال کی اصطلاح وضع کی گئی ہے نور یعنی روشنی ایک سکینڈ میں تین لاکھ کلومیٹر سفر طے کرتی ہے اس طرح ایک سال میں اس کا سفر تقریباً ۹۵ کھرب کلومیٹر ہوا۔ یہ فاصلہ نوری سال کا ہے اب ۴۔ ارب کو ۹۵ کھرب سے ضرب دیجئے تو کہکشاں کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا فاصلہ یا وقت معلوم ہوگا کہ ایک روشنی جو ایک کہکشاں سے چلی ہے وہ ہمارے کرّہ تک کتنے وقت میں پہنچی۔ تازہ ترین مشاہدہ میں ایسی کہکشاں بھی دیکھی گئی ہے جس کی روشنی ہم تک دس ارب نوری سال میں پہنچتی ہے یعنی اس نے دس ارب ۹۵ کھرب کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہے۔

مزید دیکھئے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں ایک مرکز کہکشاں ہے جسکے گرد تمام ستارے چکر کاٹ رہے ہیں انکا ایک چکر بیس کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔ یہ بات آپکو بہت معمولی بات معلوم ہوگی کہ ہمارے

سورج کی عمر کا اندازہ پانچ ارب سال ہے جبکہ کائنات کی عمر تقریباً پندرہ ارب سال ہے -

ہم اِن اعداد و شمار سے صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ ساری کائنات جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، وقت، حجم اور فاصلہ کے اعتبار سے کس قدر لامحدود ہے - لیکن خدائے تعالےٰ کی ازلی و ابدی عظمت و کبریائی کا اندازہ لگانے کے لئے وقت کے یہ سارے پیمانے، حجم کے یہ کُل اندازے اور فاصلوں کی یہ تمام پیمائشیں بالکل ناکافی ہیں - اللہ تعالےٰ زمان و مکان کی جملہ وسعتوں سے بھی بہت بلند و برتر ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے - نہ انتہا اور جو نظم، حکمت، صناعی اور باہمی مناسبت ان اربوں کہکشاؤں اور ان کے گرد گردش کرنے والے ستاروں، سیاروں میں پائی جاتی ہے اور ہم زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے، ان کے فاصلے ماپتے اور ان کی رفتار کے حساب لگاتے ہیں تو اس سے ہم کو خُدا کی عظمت اور اس کی قدرت و حکمت کا اندازہ ہونا چاہیئے اور یہ مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ اتنی بڑی لامحدود کائنات کی ایک ایک چیز باہمی جذب و کشش کے قانون میں کس قدر جکڑی ہوئی ہے کہ بڑے سے بڑا کرہ اپنے مدار سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اور ہر چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ قاعدے اور قانون کے تحت مکمل نظم و ضبط اور منصوبہ بندی کے تحت مصروف کار ہے - ہم جوں جوں اپنے مشاہدات میں آگے بڑھتے جائیں گے، ہمارا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا جائیگا۔

آفاق کے اس مختصر سے خاکے کو پیش نظر رکھئے اور سوچیئے کہ وہ کونسا حساب دان ہے جو آفاق کی پہنائیوں کا پورا پورا اندازہ لگا سکے اور زمان و مکان (TIME & SPACE) کی انتہا معلوم کر سکے۔ تحقیقات اور معلومات کے میدان میں اِنسان جتنا آگے بڑھتا جا رہا ہے اتنا ہی زیادہ محسوس کر رہا ہے کہ ابھی وہ

بہت تھوڑا جان سکا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف انداز سے بار بار
انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے کہ وہ کائنات کی ان تمام حقیقتوں پر غور
کرے اس غور و فکر کے نتیجے میں خالقِ کائنات کی عظمت و قدرت کا جو احساس
و ادراک حاصل ہوگا اور جو کیفیت قلب پیدا ہوگی وہی صحیح ایمان کی بنیاد بنے
گی۔ جو حقائق آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں وہ موجودہ دور کے چوٹی کے
سائنسدانوں کے مشاہدات و تجربات کا نتیجہ ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان
کو غلط سمجھیں۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ اِن حقائق سے سرسری طور پر
نہ گذر جائیے بلکہ خدا کی عظمت و قدرت پر ایمان و یقین کو اپنے دل کی گہرائیوں
میں اتار لیجئے۔

جب تک ہم کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوگا۔
ہم اس سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت کو کیسے متعین کر سکتے ہیں۔ ہم اگر یہی سمجھتے
رہے کہ اللہ تعالیٰ محدود اور مختصر سی کائنات کا مالک ہے۔ تو اس طرح ہم نہ
اس کی بے پایاں عظمت و سطوت کا ادراک و اعتراف کر سکتے ہیں۔ نہ اسکی
لامحدود رحمتوں اور عظمتوں پر ایمان لا سکتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کا تقاضا بھی کما حقہٗ
پورا نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ ساری کائنات ایک مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ
کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق رواں دواں ہے اور ہر روز اس لامحدود
فضا میں گردش کرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی ہے اُسی طرح انسان کیلئے بھی
اُس نے مقاصد اور ان کے حصول کے لئے مقررہ قوانین بنائے ہیں تاکہ ان پر چل کر اپنے
مقصدِ تخلیق کی تکمیل کرتا ہوا زندگی بسر کرے اور قدم آگے بڑھاتا چلا جائے۔ اس
اجمال پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے آئندہ سطور ملاحظہ کئے جائیں۔

قانونِ فطرت

اِنسان کا تجربہ اور علم اس امر پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبیعی قانون کروڑوں سال قبل مقرر کیا تھا اس میں آج بھی سرِمو انحراف و تغیّر نہیں ہوا ہے اور ساری کائنات میں وہ قانونِ طبعی کسی فرق و تبدیلی کے بغیر آج تک قائم و دائم ہے۔ البتہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تائید و نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ عام مادی ضوابط کو عارضی طور پر معطّل کر کے اپنی آیات کو ظاہر کرتا رہا ہے جن کو معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ اب بھی اس پر قادر ہے کہ اپنے کسی محبوب بندے یا پسندیدہ قوم کی نصرت و تائید کے لئے اپنے کسی طبعی قانون کو توڑ کر اپنی قدرت کی خصوصی شان کو ظاہر فرمادے لیکن 'خرقِ عادت' کے یہ واقعات شاذ و نادر ہی وقوع میں آتے ہیں اور کوئی فرد یا قوم ان پر تکیہ کر کے لائحہ عمل نہیں بنا سکتی، اس لئے کہ اکثر و بیشتر حالات میں تو مادی و فطری خواص کا بنایا ہوا قانون ہی کارفرما ہے۔ قوانین فطرت کی پختگی اور پائیداری پر ایمان و یقین کے سہارے ہی انسان چاند اور مریخ کا لاکھوں کروڑوں میل کا فاصلہ کتنے یقین و اعتماد اور کامیابی کے ساتھ طے کرتا چلا جا رہا ہے اس کے برعکس اگر انسان اس تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہتا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طبعی قوانین میں کسی بھی آن تبدیلی واقع ہو سکتی ہے تو تسخیرِ کائنات کی منصوبہ بندی نہ ہوتی اور شک و تذبذب میں گرفتار انسان کوئی

جرأت مندانہ قدم نہ اٹھا پاتا۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طبعی قانون کے تحت کام کر رہی ہے۔ زمین چاند سورج، ستارے، ہوا، سمندر، ہر ایک اسی کے طبعی قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی سرکشی کی مجال نہیں۔ اگر سورج کی اپنی رفتار میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی کمی بیشی ہو جاتے یا ہوا کا ایک لمحے کے لئے بھی رُخ خود بخود بدل جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

زوجین

شب و روز ہم جن اشیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یونہی غور و خوض کئے بغیر گذر جاتے ہیں، ان ہی کے اندر حقیقت کا سراغ دینے والے نشانات موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افزائش نسل کے لئے زوجین (نر و مادہ) اور ان کے باہمی اتصال کو ایک بنیادی قانون بنایا۔ زن و مرد کے درمیان جنسی اختلاط و اتصال انسانی پیدائش کا موجب ہے حیوانات کی نسلیں بھی نر و مادہ کے جنسی اختلاط و اتصال ہی سے قائم ہیں۔ نباتات کے متعلق بھی انسان جانتا ہے کہ ان میں بھی نر و مادہ عناصر موجود ہیں اور ان کے درمیان بھی وہی اتصال کا اصول کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ بے جان مادوں تک میں اختلاط و اتصال کا طبعی قانون نافذ ہے مختلف اشیاء جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تب ہی ان سے طرح طرح کے نئے مرکبات وجود میں آتے ہیں خود مادے کی بنیادی ترکیب منفی اور مثبت برقی توانائی کے ارتباط سے ہوئی ہے۔ ایٹم کے دقیق ذرے کو جب پھاڑا گیا تو اس میں بھی منفی اور مثبت طاقت ظاہر ہوئی پس ثابت ہوا کہ ہر چیز میں زوجین کا ہونا اللہ کا اٹل قانون ہے ہر مادّہ محرک ہے اور

زوجیت کا حامل و مظہر ہے۔ احتکاک، رگڑ اور اتصالِ باہم کی بدولت یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے وہ حکمت و صناعی کی عجیب باریکیاں اور پیچیدگیاں اپنے اندر رکھتی ہے اور اس کے اندر ہر جوڑے کے دو افراد کے درمیان ایسی مناسبتیں پائی جاتی ہیں کہ کوئی صاحبِ عقل نہ تو اس چیز کو ایک اتفاقی حادثہ کہہ سکتا ہے نہ یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب بغیر ایک مقررّہ قانون کے جاری ہیں۔ یہی وہ حقائق ہیں کہ ان پر غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ سے ایمان کے چشمے قلب انسانی سے پھوٹ سکتے ہیں۔ کاش ہم ان حقائق پر غور و فکر کریں۔ ان حقائق پر غور اور خالقِ کائنات کی قدرت کا مشاہدہ کرکے اپنے ایمان کی پختگی کا سامان مہیا کریں!

الارض!

اِسی طرح اللہ نے زمین کو پیداوار کے حصول کا ذریعہ بنایا جو بے شمار مخلوقات کے لئے رزق کا ذریعہ ہے۔ پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیتِ بارآوری پر ہے، لیکن اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے کتنا بڑا نظام کام کر رہا ہے یعنی پانی بارش کنوؤں، دریاؤں یا آبشاروں اور جھیلوں سے ملتا ہے سُورج کی حرارت، موسموں کے تغیر و تبدل پر فضائی حرارت، برودت، ہوا کی گردش پر اور برقی رو پر اثر انداز ہوتی ہے اور بادلوں سے بارش برسانے کی محرک ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی کھاد بھی شامل کر دیتی ہے ذرا دیکھئے زمین سے لے کر آسمان تک ان مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہیں پھر یہ سب بے شمار اور مختلف النوع مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور ہزاروں لاکھوں برس سے ان کا پوری طرح ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل جاری رہنا۔ ایسی باتیں ہیں جو ہماری اسی طرف رہنمائی

کرتی ہیں کہ خدا کا ہر کام ایک قانون اور طریقہ کے مطابق قائم و جاری ہے۔

طوفان نوحؑ کے واقعہ سے ہم کو طبعی قوانین کی پختگی کا مزید یقین ہوتا ہے۔ اَور وُہ اس طرح کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں نافرمان اور سرکش قوم کو طوفانِ آب کے ذریعہ تباہ کیا گیا کچھ نیک اور صالح بندوں کو بچانا بھی ضروری تھا اللہ تعالےٰ اگر چاہتا تو ان نیک لوگوں کو کسی معجزانہ طریقے سے بچالیتا لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ اپنے طبعی قوانین کے خلاف کام کرنا بالعموم پسند نہیں کرتا۔ اس لئے طوفانِ نُوح کی آمد سے بہت پہلے حضرتِ نُوح کو اپنے طبعی قانون کے مطابق کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ خدا اپنے اٹل قوانین کو کس طرح قائم رکھتا ہے کہ اُس نے ایک طرف سرکش و نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے طوفان کو ذریعہ بنایا اور دوسری طرف اپنے نیک اور صالح بندوں کو بچانے کیلئے کشتی بنانے کا حکم دیا گویا دونوں کام طبعی قوانین کے تحت ہوئے، البتہ اتنا حصہ معجزہ یا خرقِ عادت تھا کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے سے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا کہ طوفان آئے گا اور اس سے بچنے کا تم یہ راستہ اختیار کرنا۔

مندرجہ بالا چند مثالوں سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ایسا قانونِ طبعی جاری کیا ہے جو سوائے شاذ اور استثنائی حالات کے کبھی نہیں بدلتا۔ بلکہ یکساں اور مُقررہ طریقہ کار پر چلتا رہتا ہے عام طور پر اللہ تعالےٰ خود بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے کسی طبعی قانون کو توڑ کر اپنی کسی خصوصی شان کو ظاہر فرمادے! جیسے کہ اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حق میں آگ کو گل و گلزار بنا دیا اور بنی اسرائیل کی نجات کے لئے سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنا دیا۔ لیکن جیسے کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں اور ان کے بھروسے پر لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔ اَب ہم انسانوں کی دُنیا کی طرف آتے ہیں کیونکہ یہی ہمارے مضمون کا اصل موضوع ہے۔

قانونِ مکافات

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس کی حیوانی زندگی کو بھی عام حیوانات کی طرح اپنے قانون کا پابند بنا دیا۔ مثلاً حیوانات کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے اور انسان کو بھی۔ توالد و تناسل اور بقائے نسل کے جو اصول حیوانات کے لئے مقرر ہیں وہی انسانوں میں بھی کارفرما ہیں۔ حیوانوں اور انسانوں میں ایک فرق یہ ہے کہ انسانی عقل ترقی پذیر ہے اور حیوانی عقل محدود۔ دوسرے انسان کو بھلے اور بُرے کی تمیز بھی دی گئی ہے جس سے حیوان محروم ہیں اس کے ساتھ اس کو اختیار و ارادہ کی آزادی بھی دی ہے جو صرف انسان کا خاصہ ہے یہاں تک کہ اللہ کی ایک بہترین مخلوق ملائکہ بھی اس شرف سے محروم ہیں اس لئے کہ وہ اپنے ارادے یا پسند سے کچھ نہیں کر سکتے بلکہ نظام کائنات میں وہ کلیۃً ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں اور اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار و ارادہ کا شرف عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ بذریعہ وحی اسے ان قوانین سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو تعمیر یا تخریب کے موجب ہیں۔ اس نے واضح طور پر بتا دیا کہ کن اعمال کا نتیجہ اس کے حق میں مفید اور بہتر ہو گا اور کن اعمال کا نتیجہ اس کے حق میں خراب اور تباہ کن ہو گا۔ ساتھ ہی ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ انسان کو اپنے لئے عمل کی راہ اختیار کرنے کی آزادی تو ہے لیکن اعمال کے نتائج تبدیل کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں

ہے۔ اعمال کا نتیجہ بہرحال اور بہرصورت قوانین خداوندی ہی کے مطابق مرتب ہوکر رہے گا۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کیونکہ اسی پر ہمارے معاشرے کی اچھائی برائی کا انحصار ہے۔ ہر عمل کے قدرتی نتیجے کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ دین اسلام کا سارا مدار قانونِ مکافات ہی پر ہے۔

خارجی کائنات میں قوانینِ فطرت کی کارفرمائی کے متعلق نہ کسی کو کوئی شبہ ہے نہ کسی قسم کا اعتراض۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سائنس کا سارا مدار ہی ان طبعی قوانین کی پختگی اور پائیداری پر ہے جو خدائے تعالےٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اور جن کے متعلق ہر صاحبِ علم اعتراف کرتا ہے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ جس طرح خارجی کائنات میں اللہ تعالےٰ کا قانون اور حکم نافذ ہے اُسی طرح انسانوں کی معاشرتی زندگی کے لئے بھی قوانین و احکام ضروری ہیں جو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے توسط سے نوعِ انسانی کو پہنچائے گئے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ طبعی قوانین میں ہمارے اختیار یا پسند و ناپسند کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے جبکہ معاشرتی قوانین کو ہم اپنے ارادہ و اختیار سے قبول یا رد کر سکتے ہیں۔ تاہم اپنے نتائج کے اعتبار سے جس طرح طبعی قوانین اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ اسی طرح معاشرتی اور تمدنی قوانین بھی غیر متبدل ہیں۔ صدق اور سچائی کا انجام خیر ہے۔ کذب بیانی و دروغ گوئی کا انجام شر ہے۔ نیز فساد، ظلم، حق تلفی وغیرہ کے نقصانات بھی یقینی ہیں۔ اور حسنِ سلوک، صلہ رحمی، غربا پروری، عدل گستری، عفو و درگذر اور حق رسانی وغیرہ کے فوائد بھی یقینی ہیں۔ طبعی قوانین کی طرح یہ بھی قطعاً ناقابلِ تغیر و تبدل ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ اسی وقت یا جلد سامنے آجاتا ہے جیسے کشتی میں وزن زیادہ ہو جائے تو فوراً ڈوب جاتی ہے۔ سانس لینا مطلقاً

بند کر دیا جائے تو فوری ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن معاشرتی قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج عموماً فوری برآمد نہیں ہوتے گویا اللہ تعالیٰ نے معاشرتی اعمال اور ان کے نتائج کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا ہے ان کا قطعی نتیجہ اکثر فوراً سامنے نہیں آتا۔ جس طرح زمین میں بیج ڈالنے کے بعد اس کی روئیدگی تو فوراً شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن پودا نظر اُس وقت آتا ہے جب وہ سطح زمین سے بلند ہو جاتا ہے یہ مہلت کا وقفہ اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ انسان کے اختیار و ارادہ کی آزادی سلب نہ ہو جائے۔ نیز اُسے اعمالِ بد کی تلافی کا موقع بھی میسر آجائے۔

اللہ تعالیٰ کے طبعی قوانین کی پختگی اور پائیداری پر یقین رکھتے ہوئے یورپی اقوام کائنات کی تسخیر میں لگ گئیں۔ اور جُوں جوں وہ اُس کے طبعی قوانین کی تفصیلات کا علم پاتی جا رہی ہیں ان کی مہم جوئی کا میدان بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اپنے معاشرتی قوانین کو انہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر مرتب نہیں کیا۔ بلکہ اپنے پیش پا افتادہ اور ذاتی و قومی مفادات کے مطابق اور اپنے تغیّر پذیر تجربات کی روشنی میں اپنی عقلوں کے ذریعہ مرتب کیا ہے۔ اس میں کسی آسمانی ہدایت کی پابندی نہیں کی۔ انسانی عقل کوتاہ اور محدود ہے اور نہ وہ تمام انسانوں کے درمیان حقیقی مساوات کا نظام مرتب کر سکتی ہے نہ انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کی جملہ مصلحتوں کو بیک وقت مدّنظر رکھ سکتی ہے۔ انسان کے اپنے جذبات و مفادات قدم قدم پر آڑے آتے ہیں، اور عادلانہ مساوات کے نظام سے اسے ہٹا دیتے ہیں اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ تسخیر کائنات سے انہوں نے جو لاتعداد فوائد یا بیشمار سہولتیں اور سامانِ راحت حاصل کئے، وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قوانین معاشرت سے روگردانی

اور بے بازی کی وجہ سے زمین میں فساد اور تباہی کا باعث بن گئے۔ دوسری طرف ہم ہیں جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن کائنات کی تحقیق و تسخیر سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے معاشرتی قوانین کے بارے میں بھی تذبذب کا شکار ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بُرے عمل کا نتیجہ اچھا بھی نکل سکتا ہے حالانکہ کسی عمل کے دو متضاد نتائج مترتب نہیں ہو سکتے بُرے اعمال کے نتائج بُرے ہی ہوتے ہیں اور صرف اچھے اعمال کے نتائج ہی اچھے نکل سکتے ہیں۔ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اُسی قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کیا ہے۔ اسی کو خدا کے نظام عدل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خدا کا یہ نظام بھی غیر متبدل اور اٹل ہے۔

لیکن یقیناً خدا عادل ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم بھی ہے۔ بظاہر احوال عدل اور رحم دو متضاد تصورات ہیں لیکن خدا کے رحم اور عدل میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک آدمی آگ میں انگلی ڈالتا ہے۔ انگلی جل جاتی ہے۔ یہ خدا کے قانونِ طبعی کے تحت ہوتا ہے جو کلیتہً عدل پر مبنی ہے لیکن اُسی خدا نے ایسی چیزیں بھی پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان نے ایسی دوائیاں تیار کی ہیں جن کے استعمال سے جلی ہوئی انگلی ٹھیک ہو جاتی ہے یہ خدا کی رحمت یا اس کا رحم ہے۔ آپ نے دیکھا کہ تدبیر کائنات میں خدا کا عدل اور رحم دونوں بیک وقت کارفرما ہیں۔ البتہ خدا کی رحمت کو دعوت دینے کا بھی ایک معین قانون ہے جسے توبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ توبہ کا اصل مفہوم بھی ایک مثال سے سمجھئے۔ آپ نے کسی خاص مقام پر جانا ہے لیکن کسی دوراہے پر آپ غلط رُخ پر مڑ گئے۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو پھر آپ اس دوراہے پر واپس آئیں گے اور

وہاں سے صحیح راستہ کی طرف دوبارہ چلنا شروع کریں گے۔ غلط راستے سے دوراہے پر واپس آنے کو توبہ کہا جاتا ہے اور پھر صحیح راستے پر گامزن ہونے کو عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح انسانی لغزش سے پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ انسانی زندگی میں اس طرح بازآفرینی کے لئے خدا کے قوانین مقرر ہیں اور ان ہی پر عمل پیرا ہو کر خدا کے رحم کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ برُے اعمال کے تخریبی نتائج کے ازالے کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کئے جائیں۔ برائیوں کے نتائج کو بھلائیوں سے دور کر دیا جائے تب ہی ہوتا خدا کے رحم کا ظہور۔ اس کے لئے برائیوں کا چھوڑنا ہر صورت میں لازم ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ جب خدا نے فرمادیا کہ فلاں برُے عمل کا نتیجہ برُا نکلے گا اور ہم پھر بھی یہ امید باندھے رہے کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ نتیجہ بدل سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے خدا کی بات پر اعتماد نہیں کیا۔ ایسی صورت میں ایمان کہاں رہا؟ بے شک اللہ تعالےٰ غفور و رحیم ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس کی مغفرت و رحمت کو بہانہ بنا کر برُے عمل کرتے رہیں۔ بدمعاملگی اور فریب دہی بھی کرتے رہیں۔ لین دین میں جھوٹ بھی بولتے رہیں حقیقت میں یہ سوچنا ہی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ ہم غلط عمل بھی کرتے رہیں اور توبہ و تلافی کے بغیر اللہ تعالےٰ سے معافی کی اُمید بھی رکھتے رہیں۔ غلط عمل کے بعد توبہ یعنی ان کو ترک کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ایمان کا لازمی تقاضا اور اللہ کے عدل اور رحم کے مابین حسین توازن و امتزاج کا مظہر ہے!

لیکن برُے اعمال کے ارتکاب کے بعد نہ توبہ کی جائے نہ عمل صالح سے تلافی کی جائے تو ایسی صورت میں اعمال کے نتائج وہی ظاہر ہوں گے جو

خالق کائنات نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں۔ ہم کو اسی پر ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ہم اپنے غلط نظریے اور رویے کی وجہ سے ایک طرف تو کائنات کی ان بیش بہا نعمتوں سے محروم ہیں جو تسخیر کائنات کے ذریعے مغربی اقوام نے حاصل کرلی ہیں اور دوسری جانب ایک متوازن و خوشگوار معاشرہ کی نعمتوں سے اس لئے محروم ہیں کہ ہم نے خدا کے عطا کردہ احکام کو بھی اپنے من گھڑت خیالات اور عقائد کے زیر اثر عملاً ترک کر رکھا ہے اور معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی اور کن کن نعمتوں اور اُخروی انعامات سے بھی محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ آخرت کے لئے کھیتی تو یہ دنیا ہی ہے۔ یہیں اگر نہ بویا تو وہاں کیا کاٹیں گے؟

خُدا اور بندے کا باہمی تعلّق

طبعی قوانین جو انسان سمیت پوری کائنات میں رائج و نافذ ہیں اور معاشرتی قوانین جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کے لئے بنائے ہیں دونوں کی محکمیت اور پختگی اور نتائج کے اعتبار سے اٹل اور قطعی اور یقینی ہونے پر یقین لانے کے بعد اب آگے چلیئے!

یہ امر خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تمام جانداروں کی رزق رسانی ہمارے ذمے ہے اور دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کروڑوں حشرات الارض اور غیر انسانی جانیں روزانہ ضائع ہو جاتی ہیں اور قحط میں لاکھوں انسان بھی بھوک مر جاتے ہیں۔ اب کیا ہم یہ سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سب کا رزق اس کے ذمہ ہے؟ نہیں ہمارا یہ سوچنا کم فہمی اور کم علمی پر مبنی ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعا نے زمین میں ہر ذی رُوح کے لئے سامان رزق کی صلاحیت ودیعت کر دی ہے۔ زمین کی ان صلاحیتوں سے کام لینا ہمارا کام ہے۔ ہم کام ہی نہ لیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ بات یہ ہے کہ جو وسائل رزق کرۂ ارض پر پھیلے ہوتے ہیں اور جو تمام نوع انسانی کے لئے قدرت الہیہ نے رکھے ہیں وہ غلط تقسیم گروہی اجارہ داری، قوموں کی تنگ نظری و خود غرضی اور غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ناکافی نظر آتے ہیں۔ ورنہ وہ نوع انسانی کے لئے بالکل کافی ہیں۔

سے... ان کی تقسیم کا نظام غیر منصفانہ ہے یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اُسے منصفانہ تقسیم کرکے نوع انسانی کو فلاح و بہود سے ہمکنار کریں -

دوسرے حوادث ارضی و سماوی کے اسباب و علل کی تحلیل ابھی انسان اپنی تمام ذہنی و فکری ترقی کے باوجود نہیں کرسکا ہے - جب ان اسباب و علل کا انسان کو پوری طرح علم ہوجائے گا تو وہ سلاب خشک سالی قحط اور آفات پر بھی پوری طرح کنٹرول کرسکے گا - تاہم اس وقت بھی اس راہ میں بہت پیش قدمی ہوچکی ہے - سیلاب کے لئے دریاؤں کے پشتے بناتے جارہے ہیں بارش کے پانی کی کمی دُور کرنے کے لئے ٹیوب ویل اور بڑے بڑے بند اور پانی کی وافر مقدار کو محفوظ کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے ان تمام ذرائع سے پیداوار کو بڑھایا جارہا ہے - ... انڈے کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کا طریقہ نکالا جارہا ہے - دریاؤں اور سمندروں کی تہہ میں جو سامان رزق قدرت نے نوع انسانی کے لئے رکھ دیا ہے - اس کی طرف ابھی پوری توجہ نہیں ہوئی ہے -

پوری کائنات میں غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے نظام عالم میں انسان کو مرکزی حیثیت دی ہے اور اس نے نوع انسان کو عقل و حکمت عطا کرکے اُسے اختیار و ارادہ دیا ہے کہ وہ ساری کائنات میں پھیلے ہوئے اسباب رزق کو اختیار کرلے اور اُسے عادلانہ طریق پر تمام اقوام عالم میں تقسیم کرے - اگر تمام قوموں کی مجموعی عقل و حکمت اور ہنرمندی و تدبیر کو استعمال کیا جائے تو رزق کی کمی دنیا کے کسی خطہ میں محسوس نہیں ہوگی - کیونکہ ایک کم پیداوار کا علاقہ دوسرے شاداب و سرسبز علاقہ سے رزق حاصل کرسکتا ہے بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں جنکو شمار نہیں کیا جاسکتا ان کی عادلانہ تقسیم کے بعد کسی قوم کا محروم رہنا ناممکن ہے مگر شرط یہ ہے کہ لوگوں کے دل

خود غرضی تعصب اور رنگ و نسل پرستی پر بڑائی اور تفوق و تکبر سے پاک ہوں۔

گویا خدا ہر جاندار اور ہر انسان کے منہ میں خود لقمہ نہیں ڈالتا بلکہ اُس نے سب کی کامل کفالت کا سامان پیدا فرما دیا ہے۔ چنانچہ زمین، سورج، ہوا، پانی، بیج وغیرہ سب اللہ نے پیدا کرتا ہے لیکن کاشت کرکے غلہ پیدا کرنا اسے پیس کر آٹا ساننا گوندھنا اور روٹی پکا کر کھانا بھی انسان کا کام ہے۔ وسائلِ رزق کی منصفانہ تقسیم بھی اُسی کی ذمہ داری ہے۔

اللہ اور اس کی مخلوق کے باہمی تعلق کو ہم حضرت عمر فاروق کے اس قول سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ "میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھوک سے مر جائے" یا پھر بڑھیا کے اس قول سے کہ "عمرؓ خلافت کے قابل نہیں اگر اسے میری حالت کا علم نہیں۔" اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ذاتی طور پر ہر شخص سے واسطہ ہو یا وہ ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے خوراک فراہم کریں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسا نظام قائم ہو جس میں کسی کی حاجت یا جائز ضرورت رُکی نہ رہے۔ ہر ایک کو اس عادلانہ نظام کا مساوی و منصفانہ فائدہ پہنچے۔ کسی پر ظلم نہ ہو۔ کوئی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔

خُدا منبع شر نہیں

ذرا اور آگے چلئے۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی شر نہیں سب خیر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم روزمرہ اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ چوری چکاری، ڈکیتی، ظلم اور برائی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر طرف شر ہی شر پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ

یہ کتنی غلط بات ہوگی اگر ہم یہ کہہ دیں کہ انسان سے یہ تمام تخریبی کام اللہ خود کراتا ہے کیونکہ کہ اس کے حکم کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا اول تو خیر و شر دو مثبت چیزیں ہی نہیں نہ ان کا الگ الگ اپنا وجود ہو روشنی نہ ہونے کا نام تاریکی ہے۔ ظلم نام ہے عدل نہ ہونے کا۔ اسی طرح شر بھی صرف خیر نہ ہونے کا نام ہے۔ اللہ نے ہمیں خیر کا حکم دیا ہے۔ لیکن ہمیں خیر پر مجبور نہیں کیا۔ جب ہم اپنے ارادے کی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے خیر کے اہتمام میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں شر پیدا ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بھلائی چاہنے والا احد انسان کو شر اور برائی پر مجبور کرے۔

بات یہ ہے کہ عالم میں اسباب و علل اور ان کے نتائج و عواقب کا جال بچھا ہوا ہے کائنات میں خلق و امر کا عمل مسلسل جاری ہے۔ کائنات میں رُوحِ حیات خالق کائنات ہی کی پھونکی ہوئی ہے تاہم یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا کا پیدا کردہ ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے دنیا کے امور کی حرکت و سکون یا خیر و شر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ یعنی خیر و شر اور حرکت و سکون جنہیں ہم الگ الگ چیزیں سمجھتے ہیں۔ وہ الگ الگ نہیں ہیں۔ حرکت نہ ہونے کا نام سکون اور خیر نہ ہونے کا نام شر ہے۔ اور دونوں کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ لیکن استعمال کرنے والے ہم ہیں۔ یہ ہمیں اختیار ہے کہ ہم خیر کی طرف جائیں یا خیر کی طرف نہ جائیں اور اس طرح شر کو اختیار کریں۔ دُنیا میں جو شر نظر آتا ہے وہ خود انسان کے اپنے غلط اختیار کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تلوار کاٹتی ہے آگ جلاتی ہے پانی میں روانی ہے یہ سب خیر ہی خیر ہے۔ لیکن اگر تلوار سے کوئی ظالم کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اور کوئی بے رحم آگ سے لوگوں کے گھروں کو جلاتا ہے یا کوئی پانی میں اپنی غلطی سے ڈوب جاتا ہے تو

تلوار کی کاٹ میں یا آگ کے جلانے یا پانی کے ڈبونے کی صفت میں کوئی شر نہیں تھا۔ بلکہ انسان کے اپنے غلط استعمال نے شر پیدا کیا ہے۔ لہٰذا دنیا میں تمام شر صرف آزادی عمل کے غلط استعمال سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر ایک اہم استثناء وہ آفات ارضی و سماوی ہیں جن پر بظاہر احوال انسان کو قدرت حاصل نہیں لیکن ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کا تعلق قوموں اور نسلوں کے اجتماعی طرز عمل کی غلطی سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے اس سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جو پوری کائنات اور انسانوں کی دنیا میں جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر عمل اور اس کا ایک نتیجہ متعین کر رکھا ہے۔ انسان کو ارادہ وعمل کی آزادی دی ہے لیکن کسی عمل کا نتیجہ انسان اپنی مرضی سے مرتب نہیں کر سکتا۔ اعمال کے نتائج صرف وہی مرتب ہوں گے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے متعین ہیں الا یہ کہ کسی عمل کے نتیجے کو خدا خرق عادت کے طور پر خصوصی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے ظہور پذیر ہونے سے روک دے اور یہ جیسا کہ پہلے بار بار عرض کیا جا چکا ہے شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اختیار کے معنی ہیں کہ نہ تو اعمال کے نتائج مرتب ہونے میں انسان کو کوئی اختیار ہے نہ نتائج کو بدلنے کی اس میں کوئی قدرت ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے اور شریعت الٰہیہ نہ صرف حسن ہو کر رہ جائے بلکہ بے معنی نظر آنے لگے۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ نتائج اعمال کو انسان کی دسترس سے باہر رہنا چاہیئے۔

انسان اپنے مختلف رشتوں ناطوں کی بنا پر دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے تعلقات قائم کرتا ہے وہ محبت اور نفرت کا تعلق بالعموم حق و باطل

کی بنیاد پر قائم نہیں کرتا بلکہ اپنی شہوات و خواہشات یا نسب و برادری کی بنیاد پر کرتا ہے اور اپنی نادانی میں اسی طرح کا معاملہ وہ اللہ کا بھی سمجھتا ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا تعلق نوعِ انسانی سے عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہے اس کا کسی قبیلے یا کسی فرد سے رشتے ناطے کا تعلق نہیں ہے ۔ اس کا تعلق اس کے قوانینِ طبعی و اخلاقی کے مطابق ہے اس دنیا میں وہ سب سے عادلانہ سلوک کرتا ہے اسے کسی انسان سے اس کی ذاتی حیثیت میں نہ محبت ہے نہ نفرت ۔ اسے تو صرف خیر و نیکی سے محبت ہے اور صرف شر اور بدی سے نفرت ، جس انسان میں جتنی خیر و نیکی اور قانونِ خداوندی سے ہم آہنگی ہوگی اتنا ہی وہ اچھا ہے اور جس میں جتنا شر برائی اور قانونِ خداوندی سے سرکشی ہے اتنا ہی وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک برا ہے ۔

آج اقوامِ مغرب سربلند اور خوش حال ہیں تو اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو قدرت کے کم از کم طبعی قوانین سے ہم آہنگ کر لیا ہے اور مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پیچھے ہیں تو اس لئے کہ ہم نے اپنی زندگی کو قدرت کے نہ اخلاقی اور معاشرتی قوانین سے ہم آہنگ کیا نہ طبعی سے ۔ بلکہ ہم نے طبعی قوانین کی خلاف ورزی ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے ۔ اقوامِ مغرب سے خدا کو کچھ محبت نہیں ہے اور مسلمانوں سے کوئی عداوت نہیں ہے یہ تو اپنا اپنا عمل ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک کا نتیجۂ عمل ہے ۔

اللہ اور بندے کا تعلق اتنا ہی ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ایسا مزاجِ عالم بنایا ہے کہ انسان اگر اللہ تعالےٰ کے قانون اور اس کے مطابق عمل کرے تو اس کے لئے کشادگی ، خوشحالی ، سکون اطمینان ہے اور اگر اس کے قائم کردہ مزاجِ عالم کے خلاف کیا جائے تو اسباب عیش کی فراوانی ، نت نئی

ایجادات اور سامانِ راحت کی کثرت کے باوجود، خون خرابہ فساد بدامنی، بے اطمینانی، گھٹن اور خوف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج پوری پوری آبادیاں ویران ہو رہی ہیں اور خوف و ہراس کا بادل چھایا ہوا ہے یہ نتیجہ ہے احکام خداوندی کے خلاف اقوام عالم کے عمومی کردار کا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے لئے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور نتیجہ اس کے مطابق ہی مرتب ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے اس طرح تو وہ خود معطل اور کائنات کا سارا نظام میکانیکی ہو کر رہ جاتا ہے اس شبہے کے جواب میں اوّل تو ہمارے تمہیدی مضمون سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک عظیم اور وسیع نظام کا مالک ہے، جو اس کے حکم پر چل رہا ہے وہ اس عظیم کائنات کا قیوم، نگران، کارساز اور مدبر و منتظم بھی ہے اور اپنی اس تخلیق میں مسلسل اضافہ بھی فرما رہا ہے۔ انسانوں کی دنیا تو بڑی مختصر اور چھوٹی سی ہے اور انتہائی معمولی سی شے ہے۔

دوسرے کیا اللہ تعالےٰ اُسی وقت کام کرتا معلوم ہو جب وہ ہر آن اپنے ہی مقرر کردہ قوانین کو الٹ پلٹ کرتا رہے اور جب جیسے جی میں آئے احکام صادر فرماتا رہے؟ اس صورت میں آپ کا یقین کس بنیاد پر قائم ہوگا؟ اگر اعمال کے نتائج بغیر کسی مقرر کردہ طریقے کے مرتب ہوں تو اعتماد اور یقین کی اساس ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ یقین رکھیں کہ ہر عمل کا وہی مقررہ نتیجہ مرتب ہوگا جو اللہ تعالےٰ نے ہم کو خود بتا دیا ہے اور اللہ تعالےٰ [illegible] مقررہ [illegible] کرنے کے لئے ہر وقت نگران اور سرگرم ہے اور اس کام کی وجہ سے اس [illegible] ہوتی ہے نہ کوئی دشواری کیونکہ اس کا کام تو قانون بنا دینا ہے پھر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے مطابق مصروف

عمل ہوتا ہے۔ اور اسباب و علل کے قوانین کے مطابق عمل کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی چلی جاتی ہیں۔ ہم یہ کیوں تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اگر ازل ہی میں اعمال کے فیصلے کرے سب تو وہ کچھ کام کر رہا ہے اور مصروف عمل ہے لیکن اگر وہ خود اپنے پہلے سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق حکم صادر فرمائے تو وہ کچھ نہیں کر رہا اور معطل ہے۔ کام تو دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ خواہ نتیجہ مقررہ قوانین کے خلاف پیدا کیا جائے یا متعین طریق کار کے مطابق مزید برآں ہم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا نے جو کچھ پیدا کرنا تھا وہ پیدا کر چکا اور اب وہ عمل تخلیق سے فارغ ہو چکا ہے حالانکہ وہ نت نئی چیزیں پیدا کرتا چلا جا رہا ہے اور ہر دن ایک نئے کام میں مشغول اور نئی شان میں جلوہ گر ہے

اوّلین دَور کا اِسلام

ایمان لانے کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اوّلین دَور کو دیکھنا ہوگا۔ ایمان لانے کی جو دعوت آغازِ اسلام میں دی گئی وہ پوری حیات انسانی میں ایک عظیم انقلاب لانے کی دعوت تھی اور جو لوگ ایمان لائے ان کی زندگی میں عظیم تغیر پیدا ہوگیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد زندگی کے قالب کو مکمل طور پر بدلنا ہوگا۔ دین اسلام کو قبول کرنے والے ایسے مضبوط یقین کے حامل لوگ تھے کہ ایک مرتبہ ایمان لے آئے تو ہر طرح کی تکالیف اور اذیتیں برداشت کرتے رہے لیکن ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا نام ان میں نمایاں ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پوری طرح جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور امین ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے ان کا دامن کردار ہر طرح بے داغ ہے مگر وہ اس لئے شدید مخالف ہوگئے کہ ایمان لانے کے بعد ان کو اپنا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ یکسر بدلنا پڑتا تھا جس کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھے۔ چنانچہ وہ نہ صرف مخالف ہوگئے بلکہ انہوں نے ان لوگوں کو تکلیفیں بھی پہنچائیں جو ایمان لے آئے تھے ایسے مخالف افراد میں نمایاں نام ابوجہل کا آتا ہے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو قرابت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے آپ کی حمایت بھی کرتے تھے آپ کو سچا اور امین بھی مانتے تھے لیکن آبائی مذہب کو آخر وقت

تک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ان میں نمایاں تھے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کو آسانی سے قبول نہیں کیا جاسکتا اور اگر قبول کر لیا جائے تو پھر چھوڑا نہیں جا سکتا - عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مقصد خوب سمجھتے تھے وہ نہ صرف یہ جانتے تھے کہ الوہیت خداوندی سے مراد حاکمیت اعلیٰ ہے اور یہ ہر اقتدار کے خلاف ایک کھلا چیلنج ہے حتیٰ کہ اپنی ذات اور نفس کے خلاف بھی - اگر وہ خدا کے احکام و قوانین کے مقابلے میں من مانی کرنے پر تُلا ہوا ہو -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ایمان کی دعوت دی تھی وہ ایک کامل ضابطہ حیات کی اساس و بنیاد تھا - اسی شاہ کلید سے زندگی کے تمام قفل کھلتے گئے - ایمان لانے کے بعد زندگی میں تغیر آنا ناگزیر تھا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں یکسر بدل گئیں جھوٹ سے نفرت، سچائی سے محبت دیانتداری، اخلاص عمل، خیر خواہی، صاف گوئی، حق شناسی، شہادتِ حق، راست بازی، طہارت ظاہری و باطنی، یہ تمام کے تمام اوصاف ان کے مزاج کا جزو بن گئے - لہذا ایک مومن کے ذہن میں یہ نہیں آسکتا کہ وہ جھوٹ بولے یا فریب دے یا خیانت کا ارتکاب کرے - کیونکہ یہ تمام باتیں ایمان کے منافی اور ضد ہیں - ایماندار کسی کا حق نہیں مار سکتا - اپنا وقت، اپنا پیسہ، اپنی توانائی، اپنی صلاحیتیں دوسروں کے لئے صرف کر کے مسرور و شاداں ہوتا ہے وہ ایثار کو اس طرح اپناتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتا ہے وہ قول کا سچا وعدے کا پکا ہوتا ہے - وہ تمام معاملات میں کھرا اور صاف ستھرا ہوتا ہے اسکی معاشی زندگی پاکیزگی، سچائی کا کامل نمونہ ہوتی ہے یہ تمام اخلاق حسنہ اور

اور اوصاف حمیدہ اس کے ایمان کا لازمی مظہر ہوتے ہیں - ایمان لاتے ہی اس کی زندگی کا رنگ بدل جاتا ہے چنانچہ آغاز اسلام کی تاریخ میں ہم جہاں عربوں کو اسلام کے خلاف برد آزما پاتے ہیں ، وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسلام لاتے ہی اس کے علم بردار پرجوش داعی اور مبلغ بن جاتے ہیں اور پھر وہ اسلام کی راہ میں تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر آن تیار نظر آتے ہیں یہ عظیم تغیر اسلام میں داخل ہوتے ہی ان میں پیدا ہو جاتا تھا -

ایمان سے ذہنی انقلاب

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے ایمان لاتے ہی مومن کی زندگی میں انقلاب عظیم آجاتا ہے اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد افراد کی زندگی میں تغیر آہستہ آہستہ آتا اور زندگی پہلی نہج پر قائم رہتی ہے ایمان افراد کے دلوں میں اپنا گھر کرکے ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے اور ذاتی زندگی کے تمام شعبوں خصوصاً معاشی زندگی یعنی آمد و خرچ کے شعبوں میں عمل دخل شروع کر دیتا ہے - البتہ پوری سوسائٹی اور معاشرے میں یہ انقلاب رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے اس معاشرتی انقلاب کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد ہی معاشرہ صلاح پذیر ہوتا ہے چونکہ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لئے جس قدر افراد صالح نیک اور اچھے ہوتے جائیں گے ، معاشرہ بھی اسی قدر صالح ہوتا جائیگا - اگر افراد کی اکثریت میں ضعفِ ایمان ہوگا تو اس کا ظہور بد دیانتی خیانت ، رشوت ستانی ، کذب بیانی ، فریب دہی جیسے اخلاقی امراض کی صورت میں

ہوگا اور وہ معاشرہ بھی بدترین ہوگا کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے اور معاشرے کی خوبی یا برائی درحقیقت افراد کی اکثریت کا پرتو ہوتی ہے۔

آزمائش!

اوّلین افراد جو دین کی دعوت قبول کریں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایمان لانے اور نئے ضابطۂ حیات کو اختیار کرنے والوں کو لازمی طور پر آزمائش سے گذرنا پڑتا ہے چنانچہ عہد نبوّت کی پوری تاریخ شدید ترین مصائب و آلام سے پُر ہے۔ جس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوچار ہوئے۔ معاشی تنگی اور مختلف قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قدم قدم پر صبر و ضبط کا امتحان لیا گیا۔ زندگی کی نئی راہ اختیار کرنی پڑی۔ نظامِ حیات کا رُخ بدلنا پڑا۔ ظاہر ہے یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے قالب کو بدلنے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔ مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب تک ذاتی زندگی میں تغیر نہیں ہوتا معاشرہ دُرست نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ مثالی معاشرہ کی تشکیل کیلئے وقت اور عرصہ درکار ہوتا ہے لیکن افراد کی زندگی میں خوشگوار اور صالح تبدیلی ایمان لانے کے فوراً بعد ضروری ہے۔

ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے آپ کو ہجرت کرنی پڑی۔ غزوات میں شریک ہونا پڑا۔ خندق کھودنی پڑی۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس کے بعد خلیفۂ اوّل کی زندگی ہے۔ عام آدمی کو جس قسم کا کھانا میسر ہوتا تھا اس سے بھی سادہ کھانا وہ استعمال کرتے تھے۔ گھر والوں نے روزانہ کے راشن سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک روز حلوہ بنا لیا تو خلیفہ نے محسوس کیا اس سے کم مقدار پر گذارہ ہو

سکتا ہے چنانچہ اس دن کے بعد سے اتنا راشن کم کر دیا خلیفۂ ثانی نے کس طرح پیوند لگے کپڑے پہنے۔ موٹا جھوٹا کھایا۔ ایک مرتبہ آپ کے آگے سرکہ اور زیتون کھانے میں پیش کیا گیا تو آپنے سرکہ سے روٹی کھائی اور زیتون کے تیل کو ہاتھ نہیں لگایا اور فرمایا ایک سالن کافی ہے اور سرکہ اچھا سالن ہے

ان بزرگوں کی زندگی کا۔ ان کے قول و عمل میں ہم آہنگی کا۔ ان کے ایثار و قربانی کا یہ اثر ہوا کہ صدیوں تک مسلمانوں کو اللہ نے حکمراں بنائے رکھا۔ سارے جہاں میں مسلمانوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا اسلامی معاشرے میں مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی مسلسل چین و سکون اور راحت کی زندگی گذاری کیونکہ ان بزرگوں نے ایسا نظام رائج کیا جو اللہ کے قانون کے مطابق تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ امن و سکون، راحت اور چین کی زندگی ہے۔ اگر آج بھی ایسا عادلانہ، منصفانہ، ایثار و قربانی والا اسلامی نظام قائم ہو جائے تو وہی برکات و ثمرات ظاہر ہوں گے۔ وہی خوشحالی، وہی نیک نامی اور عزت و احترام سارے جہاں میں مسلمانوں کا قائم ہو جائے گا اور فردوس گم گشتہ دوبارہ حاصل ہو جائے۔

ایمان لانے کا
ہماری ذات اور ہماری اولاد پر اثر

عموماً لوگ اپنی ذات سے زیادہ اپنی اولاد کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے بہت سے غلط کام کرتے ہیں۔ آپ جس سے بھی بات کریں گے وہ یہی کہے گا کہ میں ساری جدوجہد بیوی بچوں کے لئے کرتا ہوں۔ اپنی جان پر دکھ اٹھاتا ہوں حکمت اور تدبیر سے کماتا ہوں۔ رشوت لیتا ہوں۔ حکومت کا ٹیکس بچاتا ہوں۔ خریداروں کو دھوکا دیتا ہوں۔ مزدور کی مزدوری کم دیتا ہوں۔ خود کم کام کر کے زیادہ مزدوری لیتا ہوں۔ زیادہ منافع کماتا ہوں۔ لیکن اس سے پوچھا جائے کہ تم میں تو اہلیت ہے صلاحیت ہے قابلیت ہے تم اس کے ذریعہ دوسروں سے زیادہ کما لیتے ہو۔ اپنی حکمت عملی اور تدبیر سے اپنے حق سے زیادہ لے جاتے ہو لیکن جب تمہاری کم عقل اولاد کو دوسرے لوگ اسی طرح لوٹ کھسوٹ کر زیادہ منافع کما لے جائیں گے تو کیا تمہارا دل نہیں دکھے گا۔ جو شخص آج رشوت لے گا اس کی اولاد کو کل رشوت دینی ہوگی۔ جو شخص آج مہنگا مال بیچے گا اس کی اولاد کو کل مہنگا مال خریدنا پڑے گا۔ جو شخص آج ملاوٹ والا اور گھٹیا مال سپلائی کرے گا اس کی اولاد کو کل ویسا ہی یا اس سے بھی خراب مال ملتا ہوگا۔ یہ ایک روش ہے جو جاری رہے گی۔ کیونکہ تخریب

کی جو بنیاد ڈالی جائے گی نسلاً بعد نسلٍ اسی پر عمارت بنتی رہے گی ۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہم اپنی اولاد سے بہتری یا ہمدردی نہیں کر رہے بلکہ ان کے لئے گڑھا کھود رہے ہیں ان کی تخریب اور معاشرے کی تباہی کا بیج بو رہے ہیں ۔ اگر آہستہ آہستہ سب لوگ اس نکتے کو سمجھتے جائیں اور معاشرے میں ہمواریاں پیدا کرتے جاتے جائیں کوئی کسی کا حق نہ مارے کوئی زائد منافع نہ لے غلط ذریعے اور جھوٹ سے کمائی نہ کرے ۔ رشوت نہ لے حق سے زیادہ مزدوری نہ لے کم کام نہ کرے تو پھر ایسا نظام جاری ہو جائے گا کہ جس میں کوئی کسی کی کمزوری نا اہلی اور کم قابلیت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا ایمان لانے کے بعد ذاتی آزمائش کا تو سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس سے جو نظام اور طریق سامنے آتا ہے ۔ اس سے ممکن ہے کہ ہماری اپنی زندگی میں بھی آرام و سکون حاصل ہو ورنہ ہماری آئندہ نسل کے لئے تو ضرور ایک اچھا معاشرہ پیدا ہو جائے گا ۔

ایمان و یقین ہی زندگی کی مشین صحیح رُخ پر متحرک رکھتے ہیں یہ یقین انسان کو بہت سے تخریبی کاموں سے روکتا ہے اور بہت سے تعمیری کاموں پر آمادہ کرتا ہے ۔ فرض کیجئے کہ آپ کو کئی روز کا فاقہ ہے اسی حالت میں ایک شخص آپ کے سامنے لذیذ کھانا لا کر رکھ دیتا ہے کھانے کی خوشبو سے آپ کے منہ میں پانی آ رہا ہے ۔ لیکن وہ آپ کو بتاتا ہے کہ باورچی نے اس میں نمک کی بجائے سنکھیا ڈال دیا ہے ۔ کیا آپ اسے کھائیں گے ۔؟ یقیناً نہیں خواہ آپ بھوک سے کتنے ہی بیتاب اور نڈھال ہو رہے ہیں ۔ آپ زہر آلود کھانا کھانے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ آپکو یقین ہے کہ سنکھیا باعث ہلاکت ہے ۔ یہی یقین آپ کو زہر کھانے سے روکتا ہے ۔ اب یہ کہنے کے بجائے کہ اس غذا میں سنکھیا ملی ہوئی ہے اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ یہ غذا " مال حرام " سے تیار کی گئی ہے

تو کیا اس وقت بھی ہم اسی طرح ہاتھ کھینچ لیں گے جس طرح زہر کا نام سنکر کھینچ لیا تھا۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس پر تو ہمیں پورا یقین ہے کہ سنکھیا مہلک ہوتی ہے۔ لیکن اس پر ہمارا پورا ایمان نہیں ہوتا کہ مال حرام بھی مہلک ہوتا ہے۔ حالانکہ حرام مال فرد اور معاشرے کو اسی طرح ہلاک کرتا ہے جس طرح زہر آلود غذا افراد کو۔ اگرچہ یہ ہلاکت فوری نہیں تدریجی ہوتی ہے۔

عقیدہ یا ایمان خارجی قانون کے بغیر بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجئے ایک نوجوان ہے نہایت بدنام، بدمعاش۔ عیاش، بدکردار، ہوی و ہوس کا پرستار، جنسی لذت کا شکار۔ کوئی لڑکی اس کے ہاتھوں اپنی عزت محفوظ نہیں سمجھتی۔ اس لڑکے کی ایک ہمشیرہ ہے نوجوان، خوبصورت، ناکتخدا۔ وہ دونوں ایک کمرے میں رہتے ہیں اور وہیں راتوں کو سوتے بھی ہیں۔ عورت ہونے کے ناتے اس لڑکی اور ان لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں جن کے پیچھے یہ مارا مارا پھرتا ہے لیکن راتوں کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں بھی وہ اپنی بہن کی طرف کبھی نگاہ بد سے نہیں دیکھتا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ خیال پختہ عقیدے کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ بہن کے ساتھ جنسی تعلقات کسی طرح مناسب نہیں۔ اس لڑکے کے ہاتھوں اس کی بہن کی عصمت ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔

اس کے لئے نہ کسی قانون کی ضرورت ہے نہ کسی سپاہی کی حاجت اس کی یہ اندرونی کیفیت خارجی اسباب کے بغیر ہی اس لڑکی کی عصمت کی حفاظت کرتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر کوئی اس کی بہن پر غلط نگاہ ڈالے تو وہ جذبۂ غیرت سے اس کی آنکھ نکال لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کی عصمت کو

خطرے میں دیکھ کر اس کی حفاظت کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے یا دوسرے کا خون بھی بہا سکتا ہے ۔ پس کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ حقیقی معنی میں ایمان لا کر اپنے نفس میں یہ تغیر پیدا کیا جائے کہ جس طرح ہم اپنی بہن کی حرمت کے قائل ہیں اسی طرح ہر لڑکی کی حرمت ہمارے عقیدہ و عمل میں شامل ہو جائے اور جس طرح ہم سنکھیا کو اپنی جان کے لئے مہلک سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی سمجھیں کہ حرام کمائی سے تیار کردہ ہر کھانا ایمان میں ضعف پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے ۔

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ کیا واقعی ہم خالقِ کائنات کے قانونِ مکافات کو مانتے ہیں ؟ اگر مانتے ہیں تو وہ کام کیوں کرتے ہیں جس سے خدا نے واضح طور پر ہمیں روکا ہے ۔ ہمیں سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس چند روزہ زندگی میں ہم نے کس طرح ملاوٹ ، رشوت ، چور بازاری گراں فروشی ، ریا ، فریب ، کذب ، ظلم ، ناپ تول میں کمی اور ہر قسم کی ذاتی مفاد پرستی کو روزمرہ کا مشغلہ بنا لیا ہے ۔ اور ہمیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ زہریلا بلکہ آتشیں لقمہ نگلنے کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے اور اس کے اثرات کتنے بڑھتے جا رہے ہیں ۔

کیا ایمان کے بغیر بھی طبعی اور معاشرتی قوانین مقررہ نتائج پیدا کرتے ہیں

کائنات کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ انسان کی تمام مساعی اور کوششیں اگر کائنات میں اللہ کے نافذ کردہ قوانین طبعی کے مطابق ہوں تو ان کے نتائج خود بخود برآمد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کھیتی باڑی صحیح طریقے سے کی جائے یعنی زمین کی جوتائی، بوائی، آبیاری اور کیڑوں سے محفوظ رکھنے کی تدابیر وغیرہ صحیح اصولوں اور مناسب وقت پر ہوں تو غلہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قوانین طبعی کے مطابق جس قدر محنت کی جائے اتنے ہی اچھے نتائج برآمد ہوں گے یہ عام مشاہدے کی بات ہے، اسی طرح دوسرے کام ہیں۔ سمندروں میں جہاز رانی، جہاز سازی، فضا میں پرواز، زمین اور پہاڑوں سے معدنیات کا حصول، مصنوعات کی تیاری وغیرہ، اگر یہ تمام کام قوانین طبعی کے مطابق سرانجام دیئے جائیں تو ان کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے اور ان تمام امور میں انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس میں عرب و عجم کالے اور گورے مومن غیر مومن کے درمیان کوئی فرق نہیں

اللہ تعالیٰ پر ایمان یا عدم ایمان کا اثر ہمارے اس نوع کے عمل کے نتیجے پر نہیں پڑتا۔ بلکہ ہر کام کے لئے معین طبعی قوانین کے مطابق اگر کام لیا جائے تو نتیجہ بھی صحیح ہی برآمد ہوگا۔ اور اگر ان قواعد و ضوابط کے مطابق عمل نہ ہو تو فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں کیونکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ طبعی نافذ کئے ہیں ان کے مطابق ہی ہر عمل کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمدنی و معاشرتی قانون کے مطابق صحیح عمل اختیار کرکے ہر وہ قوم ترقی کر لیتی ہے جو استقلال یا مردمی اور نظم و ضبط کے ساتھ اپنا صحیح عمل جاری رکھتی ہے مسلمانوں نے صحیح عمل سچائی اور دیانتداری کیساتھ اختیار کیا اور قانون و انصاف کی حکومت قائم کی تو صدیوں تک عزت و وقار اور نیک نامی اور ہردلعزیزی کے ساتھ وسیع خطۂ ارضی پر حکمران رہے۔ مگر جب ان کے کردار و اخلاق میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو ان سے بہتر کردار کی حامل قومیں ان پر غالب آگئیں حتیٰ کہ انگریز برِصغیر پر سات سمندر پار سے آکر حکمران بن گئے۔ انہوں نے اگرچہ محکوم قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ لیکن ان میں حکمرانی اور امن قائم رکھنے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے قانون کے نفاذ میں بھی مخلص تھے عدل و انصاف کی صلاحیت بھی ان میں موجود تھی اور انفرادی طور پر وہ بھی بہت اچھے اوصاف کے مالک تھے چنانچہ معاملات کی صفائی انکا شعار تھا۔ وعدہ وفا کرتے تھے۔ لین دین میں راست روی ان کا قومی شعار تھا۔ محنتی اور جفاکش تھے لہٰذا انہوں نے خوب دنیا کمائی اور دونوں ہاتھ سے دولت بٹوری اور اب جرمنی اور جاپان کا بھی یہی حال ہے کہ سارے عالم کی منڈیوں پر چھا گئے ہیں۔ محنتی جفاکش اور راست باز ہیں، اچھا مال بناتے ہیں اور وقت پر صحیح مال بھیجتے ہیں۔ لہٰذا ایک جہان انکی مصنوعات

خریدتا ہے اور دُنیا بھر کے بازار ان کی مصنوعات سے اٹے پڑے ہیں تجارت
سے مال دولت کے ساتھ ساتھ نیک نامی اور عزت بھی حاصل کر رہے ہیں۔ ان
کے کردار کی تعریف ہو رہی ہے۔ چین نے زندگی کے معاشی پہلو کو اپنی اصلاح کا
مرکز بنایا۔ قوم میں مساوات کی رُوح پھونک دی حکمران اور رعیت کے درمیان
معاشی فرق و تفاوت کو کم از کم کر دیا ہے۔ سادہ زندگی ان کی قومی خصوصیت
بن گئی۔ چوری اور رشوت ستانی کی لعنت سے معاشرے کو پاک کر دیا۔ بدعہدی
بدمعاملگی سے قوم کو نفرت ہو گئی۔ محنت دیانت اور اصول پروری ان کا قومی شعار
بن گیا ہے۔ تعلیم کے ذریعے بدکاری اور دوسری اخلاقی برائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ
دی۔ آبروئیں محفوظ ہیں اور مال و متاع ضائع ہونے کا خطرہ نہیں مثالی معاشرہ
قائم کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حال ہی میں ویت نام نے دنیا
کی سب سے بڑی اور طاقتور مملکت یعنی امریکہ کو جس کے پاس اسلحہ کے انبار اور
دولت کی بہتات تھی اپنے ملک سے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کی وجہ یہ
تھی کہ وہاں کے صدر، وزیر، افسر، سپاہی اور عوام سب کا رہن سہن یکساں تھا
اونچ نیچ کا فرق انہوں نے مٹا دیا تھا۔ پوری قوم کے اخلاص عمل اور متحدہ
جدوجہد وہ اسباب تھے جن کی بدولت وہ کامیاب ہوئے ان کی یہ کامیابی
کائنات کے طبعی قانون کے عین مطابق تھی۔ ان کی انتھک اور مسلسل
جدوجہد کی بدولت انہیں اجنبی قوم کی غلامی سے نجات ملی یہ ان کی پیہم اور مسلسل
کوششوں کا طبعی نتیجہ تھا۔ کیونکہ طبعی اسباب کے نتائج بھی طبعی ہوتے ہیں۔
لیکن چونکہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں تھے۔ لہذا ان میں یہ کمی
بہرحال باقی رہ گئی کہ تمام اچھائیاں اور سب ترقی ان کے اپنے ممالک تک
محدود رہیں دوسرے ملکوں کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا۔ انہوں نے سر اٹھا

کام صرف اپنی قوم اور اپنے ملک تک محدود رکھا دوسری قوموں کے ساتھ وہی اجتماعی اور سیاسی دھوکا فریب اور جھوٹ باقی رکھا۔ کمیونسٹ کے ساتھ اسی دین نام نے آگے چل کر جو کچھ کیا وہ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ اس نے معاشی و معاشرتی قوانین کا جو معیار اپنی قوم کے لئے قائم کیا تھا، وہ کمیونسٹ کے حق میں قائم نہ رکھ سکے۔ صرف اپنی قوم کے لوگوں تک ہر ملک ایمانداری برتتا رہا۔ تاکہ وہ اپنے ملک میں امن سے رہ سکیں۔ تجارت میں دوسرے ملکوں کے ساتھ صحیح معاملہ رکھا تاکہ خوب دولت کما سکیں لیکن دوسری قوموں کے ساتھ معاملات میں عدل و انصاف کا معیار قائم نہ رکھ سکے۔ ایمانداری کو کسی ملک نے بھی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں ملحوظ نہیں رکھا۔

خالق کائنات پر ایمان ہی سے انسان کے قلب میں وہ کامل اور پائدار تبدیلی پیدا ہوتی ہے جو زندگی کے قالب کو یکسر بدل دیتی ہے انسان دوسروں کیلئے بھی بھلائی اور خیر خواہی، رواداری اور محبت میں روحانی خوشی محسوس کرتا ہے ایمان ہی دنیا میں امن، چین کی جنت ارضی قائم کرتا ہے ایمان کی بدولت ہی وہ عالمگیر تعلق قائم ہوتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو ایک رشتہ میں پرو دیتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ خدا کی بتائی ہوئی باتوں پر آدمی جتنا عمل کرے گا اس کو اتنا ہی اچھا نتیجہ ملتا چلا جائے گا۔ یہ صحیح معاملہ کرے گا اور دیانتداری برتے گا تو اس کا اعتبار قائم ہوگا۔ دنیاوی مال و دولت حاصل کرے گا جس قدر تحقیق جستجو میں آگے بڑھے گا اسی قدر سربستہ رازوں کے پردے اٹھتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ سری ... سچ ... پہنچ جائے گا لیکن اس کا پورا پھل مکمل طور سے ہی حاصل ہوگا۔ جب وہ یہی کام ایمان کے ساتھ کرے گا۔ ایمان سے اُسے خود بھی فائدہ حاصل ہوگا اور اسکی قوم اور ملک کو بھی بلکہ اس سے ساری نوع انسانی

مستفید ہوگی اور ایمان کے بغیر یہ ساری ترقیاں عارضی اور مخصوص حلقے میں محدود رہیں گی، عالمگیر اور مکمل چین اور سکون پائیدار خوشی اور دائمی امن صرف ایمان لانے ہی سے حاصل ہوگا۔ رہے وہ لوگ جو نہ صحیح ایمان لائیں اور نہ ہی صحیح عمل کریں تو ان کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور غالباً ہم اسی سطح پر ہیں کہ نہ تو ہمارا ایمان ہی کامل ہے نہ عمل ہی صحیح ہے۔ ایمان کے بغیر دائمی امن اور مستقل اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ایک عرصہ کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کے بغیر جو قوم بھی کچھ کرتی ہے، وہ صرف اپنے دنیوی مفاد کے لئے کرتی ہے۔ پوری نوع انسانی کی فلاح و بہبود سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ دوسری قوموں کے ساتھ ان کی ظاہری عنایات بھی محض استحصال کے لئے ہوتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ بین الاقوامی سطح پر تصادم و مزاحمت ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر دوسروں کے مفادات کو قربان کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری قومیں اس استحصال کو برداشت نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ترقی اور خوشحالی کچھ قومیں اس طرح حاصل کرتی بھی ہیں، وہ کچھ عرصے کے بعد باہمی تصادم و تزاحم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔

اوپر یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین طبعی اور ان کے نتائج میں تغیر و تبدل کا گزر تک نہیں۔ جس طرح ہمیں یہ یقین ہے کہ سنکھیا ملا کھانا مہلک ہے اسی طرح ہمیں اس امر پر بھی پختہ ایمان اور کامل یقین رکھنا چاہیئے کہ حرام کمائی کا لقمہ بھی ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اور پورے معاشرے اور انسانیت کے لئے مہلک ہے۔ حرام کی کمائی کے اثرات آج ہماری نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں کہ انسانیت مفقود ہو چکی ہے۔ انس و محبت نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ اندرون ملک بھی ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچی جا رہی ہیں اور بیرون ملک بھی یہی حالت ہے۔ قومی ترقی میں ذاتی مفاد پرستی سد راہ بنی ہوئی ہے۔

آخری عرض

اس مقالے کی غرض و غایت اور مقصدِ اشاعت یہی ہے کہ ایمان کی دعویدار قوم ایمان کی صحیح تعریف سے واقف ہو کر پہلے صحیح انسان اور پھر حقیقی مسلمان بنے۔ اس کا پختہ یقین ہو کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ دھوکا نہیں دیتا۔ کسی کا حق نہیں مارتا۔ معاملات کا سچا، لین دین کا کھرا۔ قول کا سچا اور وعدے کا پکا ہوتا ہے۔ کمائی میں سچائی اور دیانت کو مقدم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانا اس کا مخصوص امتیازی نشان ہے۔ اور یہی وہ ایثار ہے جس کی قرآن میں تعریف وارد ہوئی ہے۔

اس مضمون کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ آپ کسی تذبذب یا پریشانی کا شکار ہو جائیں بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ اس غلط تصور سے باہر نکل آئیں کہ آپ کا موجودہ طریقِ زندگی اسلام کے عین مطابق ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا جو راستہ اور طریقہ ہمارے لئے تجویز فرمایا تھا ہم اس راہ پر نہیں چل رہے اندریں حالات اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ چند اصحابِ فکر و عمل اُٹھ کھڑے ہوں جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی پوری طرح جلوہ گر ہو۔ وہ اسلام کی روشنی پھیلانے کا عزم کر لیں خواہ ان کو اس راہ میں جان مال اور اولاد کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے پھر آہستہ آہستہ ایسے

لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا تا آنکہ ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے جس میں صحیح طریق پر زندگی گزارنا آسان ہو جائے اور غلط عمل کرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں ۔

اسلام پر عمل کے لئے تین مدارج ہیں جو لازمی و لابدی ہیں ۔ اوّل ایمان ۔ دوم کبائر سے اجتناب ۔ سوم شعائر دین پر عمل ۔ ہو یہ رہا ہے کہ ہم نے پہلی دو سیڑھیوں کو تو طے کیا نہیں اور تیسری سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں جو سعی لاحاصل ہے ، ہمیں درجہ بہ درجہ اور زینہ بہ زینہ چڑھنا ہو گا ۔ ورنہ آج ہم اپنے غلط اعمال کے نتائج کی سزا تو بھگت ہی رہے ہیں یعنی ہر فرد اپنے ہی دفاع ہی میں لگا ہوا ہے کہ کوئی اسے کھا نہ جائے اور وہ خود اس داؤ میں ہے کہ دوسرے کو نگل جائے ۔ یہ تکلیف وہ ذہنی عذاب ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوتے ہے اور سب پر دائمی خوف مسلط ہے ۔

کبائر میں جہاں دوسرے بے شمار اعمال آتے ہیں وہاں مصلحت یا مفاد کے تحت جھوٹ کا استعمال یا کسی چیز کی اصلیت کو اپنے فائدے کے پیش نظر چھپانا بھی کبائر میں شامل ہے ۔ ہماری زندگی میں یہ چیز اس کثرت سے رائج ہے کہ ہم اس کو کبائر میں شمار ہی نہیں کرتے حالانکہ یہ بہت سی برائیوں کی جڑ ہے آپ دیکھیں حج جیسے نیک فریضہ کی ادائیگی میں بھی ہم اس برائی سے نہیں بچتے ۔ ہم ناجائز طریقے سے کرنسی حاصل کرتے ہیں ۔ حج سے واپس آتے ہیں تو ہمارا سامان چیک ہوتا ہے کہ کوئی ممنوعہ یا تجارتی چیز تو ساتھ نہیں لائے ۔ ہمارے لئے یہ تکلیف اس لئے ہے کہ ہم نے اصلیت کو چھپانے کا سہل طریقہ اختیار کر لیا ہے ۔ ہم نے اپنے صحیح عمل سے معاشرے کو ایسا نہیں بنایا کہ ہمیں کرنسی بھی پوری ملے تاکہ حج کے دوران محتاجی نہ ہو اور واپسی میں ہمارا سامان

بھی چیک نہ ہو یعنی چیک کرنے والوں کو یقین ہو کہ ہم غلط سامان ساتھ نہیں لائیں گے اگر ہم میں جرأت ہو اور ہمارا عمل بھی صحیح ہو تو ہم ایسا ماحول پیدا کر سکتے ہیں کہ ہم کو اخفائے سے کام نہ لینا پڑے یہ معاملہ صرف کسٹم کا نہیں ایسے بہت سے دوسرے مواقع ہم کو روزمرہ پیش آتے ہیں۔ مثلاً حکومت کے محاصل کی ادائیگی میں بچت کے لئے ہم نے اخفاء کا آسان طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ ہم صحیح ادائیگی کے پیہم عمل سے محاصل لگانے والوں کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ کم از کم شرح پر محصول لگائیں۔ لیکن اس کے لئے ہم کو پہلے قربانی دینی پڑے گی۔ جو اسلام کی راہ پر چلنے کے لئے لازمی ہے بلکہ ہم کو تو اس کے لئے بھی خوشی سے تیار رہنا چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ محاصل دیں اور عمال کو مجبور کریں کہ وہ ان محاصل کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔ عمال اپنا طرز زندگی سادہ رکھیں۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں یہ لازم ہے کہ عمّال وہی زندگی گذاریں جو معاشرے کا ادنیٰ آدمی گذارتا ہو۔ ہم جب خود اخفاء سے کام لیتے ہیں تو عمّال پر کس طرح زور ڈال سکتے ہیں کہ وہ شرحِ محصول کم رکھیں یا زیادہ محصول وصول کریں تو اس کو صحیح طور پر خرچ کریں۔

اس مقالے کے اوّلین مخاطب چونکہ پاکستان کے مسلمان ہیں اس لئے ان خرابیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہمارے ملک میں عام طور پر رائج ہیں اور ہم ان کو ہوشیاری اور قابلیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ برائی نہیں سمجھتے افراط و تفریط کا یہ حال ہے کہ اگر محاصل کی ادائیگی میں خواہ وہ کسٹم ہو، اکسائز ہو، ٹیکسز ہوں ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کم از کم ادا کریں یا بالکل ہی نہ دیں اور اصلیت کو چھپانے کے لئے ہم ہر طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ دوسری طرف جب ہم کو حکومت سے مانگنا ہوتا ہے خواہ وہ لائسنس ہو، کوٹہ ہو، راشن ہو، قیمتوں

کا تعین ہو، زرمبادلہ کا حصول ہو تو ہم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ سب کا حصہ خود ہی لے جانا چاہتے ہیں ۔ اس میں کتنے دوسرے اشخاص کے حقوق غصب ہوتے ہیں، اس کی ہم بالکل پرواہ نہیں کرتے ۔ زیادہ حصہ حاصل کرنے کے لئے ہم کو کیسے کیسے غلط اور ناجائز طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں اس کا بھی ہمیں کوئی احساس نہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ عمال اور عوام سب میں ایک ہی خرابی ہے اور وہ ہے ایمان کی کمزوری !

آج کل مسلم ممالک میں اسلامی نظام یا شرعی قوانین کے نفاذ پر بہت زور دیا جا رہا ہے مگر اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے ایمان کا صحیح تصور قائم کیا جائے ۔ کبائر سے بچنے کا اہتمام کیا جائے اور پھر شعائر دین پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا جائے ۔ اسلام کا نفاذ خواہ افراد پر ہو یا پوری سوسائٹی پر، وہ قلوب و اذہان اور فکر و نظر کی تبدیلی کے بغیر موثر نہیں ہو سکتا اسلامی نظام اسلامی معاشرہ میں قائم ہوتا ہے اور اسلامی معاشرہ اوپر سے نہیں ٹھونسا جاتا ۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اور اسلامی معاشرے سے مراد ایسے افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی سیرت و کردار اسلامی ہو ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے معاشرے کے افراد کو اسلامی سانچے میں ڈھالا تھا ۔ پھر ان ہی کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا ۔ آج جو قوم بھی اپنے یہاں اسلامی نظام قائم کرنا چاہے اُسے اسی پروگرام پر عمل پیرا ہونا ہوگا ۔ حضورؐ نے اپنی مدت رسالت کا نصف سے زیادہ حصہ یعنی تیئیس ۲۳ برس میں سے تیرہ ۱۳ برس افراد کی تربیت میں صرف فرمائے ۔ آپؐ نے پہلے وہ افراد تیار کئے جن کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا ۔ آپؐ نے ساری توجہ رفقائے کار کی سیرت سازی کی طرف مرکوز رکھی کہ یہی منزل تک پہنچنے کا صحیح طریقہ تھا ۔ کسی قوم کی حالت میں اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی جب تک

اس قوم کے افراد میں قلب و نظر کی تبدیلی نہ آچکی ہو تو دوسرے انسانی نظام خارج سے مسلط کئے جاتے ہیں۔ اسلامی نظام دِل کی گہرائیوں سے اُبھر کر باہر آتا ہے اور یہ صرف صحیح اور پختہ ایمان ہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس کے لئے پہلے ایک مضبوط اقلیت اپنے آپ کو صحیح راہ پر گامزن کرتی ہے۔ قربانیاں دیتی ہے۔ پھر پورا معاشرہ اس کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔

اس مقالے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور دیگر رائج الوقت مذاہب میں بنیادی فرق کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ تمام مذاہب میں ملکی و بین الاقوامی وساتیر اور چارٹرز میں اخلاق حسنہ، معاملات کے اصول اور حقوق و فرائض وغیرہ تقریبًا یکساں ہیں۔ کوئی بہت بڑا فرق ان کے مابین موجود نہیں ہے۔ ہر دستور میں سچ کو اچھا، جھوٹ کو بُرا، رحم کو اچھا اور ظلم کو بُرا بنایا گیا ہے۔ پھر وہ کونسا امتیاز یا بنیادی فرق ہے، جو اسلام کو دیگر مذاہب یا دنیا کے بہترین دستوروں حتیٰ کہ U N O کے چارٹر سے بھی ممیز اور ممتاز کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے دستور کو ثانوی حیثیت دی ہے اور ایمان کو مقدم رکھا ہے۔ اسلام کا دستور قوموں، ملکوں، پیشوں، رنگوں، زبانوں یا نسلوں کی بنیاد پر نہیں۔ اسلام کا دستور صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو پہلے ایمان لائیں کہ اللہ قادر اور صاحبِ اختیار ہے اور اس نے جس عمل کا جو نتیجہ مقرر کیا ہے وہ اُس کو اُسی طرح برآمد کرے گا۔ اس کے لئے اس کو نہ فوج کی ضرورت ہے نہ پولیس کی نہ چوکی اور پہرے کی ضرورت ہے نہ نگرانی کی۔ بلکہ اعمال کے نتائج خود بخود مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ گو سطحی نظر میں ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غلط عمل والا پھل پھول رہا ہے۔ ہماری آنکھیں اُس کی ترقی سے چکا چوند ہو رہی ہوتی ہیں۔ لیکن غلط عمل کرنے والے دائمی خوف میں

مبتلا رہتے ہیں کہ کب اُن کا ناجائز طریقوں سے جمع شدہ مال قانون کی گرفت میں آجائے یا کوئی اُن کی حکومت ختم کردے ۔ یا اُن کے ملک پر قبضہ کرلے یہ ہمیشہ مسلط رہنے والا خوف ان کے غلط عمل ہی کا نتیجہ ہوتا ہے ۔

یہ خوف اور اندیشہ آج ملکوں اور قوموں کو بھی ایک دوسرے سے ہے اور افراد کو بھی جو ترقی اور خوشحالی دکھائی دے رہی ہے ، اس کے ہر وقت چھن جانے یا دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خوف سب پر ہر وقت مسلط ہے یہ نتیجہ ہے ہمارے بُرے اعمال کا معاشرے میں ایسا سکون و امن کہ ہر ایک کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق یا اپنے ملک اور اپنی قوم بلکہ پوری دُنیائے انسانیت کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ کسی کو دوسرے سے خطرہ محسوس نہ ہو ، صرف اسی وقت ممکن ہے کہ معاشرے میں زیادہ سے زیادہ افراد اللہ تعالےٰ کی ذات اور مکافاتِ عمل کے اصول پر یقین رکھتے ہوں ۔ اسی لئے ہم نے ایمان کے لئے دو چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے یعنی اوّلاً اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی عظمت پر ایمان اور دوسرے یہ یقین کہ ہر عمل کا نتیجہ وہی برآمد ہوگا جو اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ ہے اور ہم کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے ۔ یہ دو تصوّرات مل کر ہمارے ایمان کو مکمل کرتے ہیں ۔ دوسرے تمام مذاہب اور سائنس میں یہی بنیادی نکتہ نظر انداز ہو گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ مقررہ طبعی قوانین کی طرح انسانی معاشرے اور تمدّن کی صحت اور درستی کے لئے بھی مکافاتِ عمل کا قانون جاری و ساری ہے ۔ کوئی قوت اس کو بدل نہیں سکتی ۔ معاشرتی قوانین اور عمل کے نتائج کا اطلاق تمام انسانوں ، تمام طبقات ، تمام قوموں ، ملکوں اور نسلوں کے لئے بھی یکساں ہے اور ہر دور اور وقت کے لئے بھی غیر متبدّل ہے ۔ اس میں نہ پہلے کبھی فرق آیا ہے نہ آئندہ کبھی آئے گا ۔

اسلام نے کسی نئے خدا کا تصوّر پیش نہیں کیا اور نہ کسی نرالے اخلاق کا سبق دیا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اسلام سے پہلے خدا پر ایمان، اصول اخلاق اور عملی زندگی الگ الگ چیزیں تھیں جن کے درمیان کوئی لازمی ربط و تعلق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان تینوں کو ملا کر ایک نظام میں منسلک کر دیا اور ان کے امتزاج سے ایک مکمل تہذیب و تمدّن کا نقشہ محض خیال کی دنیا میں نہیں بلکہ واقعات کی دُنیا میں قائم کر کے دکھا دیا۔ اسلام نے سکھایا کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس ایمان کا مزاج اپنی عین فطرت کے لحاظ سے خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں میں ہونا چاہیئے ـــ یہ ہے ایمان اور عمل صالح کا وہ باہمی لزوم جو "وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ میں قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر واضح کیا گیا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ہم اپنے مفہوم اور ذہن کو سادہ الفاظ اور مختصر مضمون میں آپ تک پہنچا دیں۔ خدا کرے ہم کو اس میں کامیابی ہوئی ہو۔

والسّلام!

فہم قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعے کے ضمن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف

ضرور مطالعہ کیجئے

(کتاب کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں چھپ کر آیا ہے)

اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ کتابت اور دیدہ زیب طباعت

ہدیہ : -/۸ روپے

❀❀ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ : الحدیث ❀❀

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں: حدیث نبویؐ

ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآن اور خطبات پر مشتمل نشر القرآن کیسٹ

نمبر شمار	موضوع		کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبی ۱۰ تقاریر کا سیٹ	(۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقاء اور قرآن حکیم	(۹۰ - سی	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت رُوح انسانی	(۶۰ - سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور	(۹۰ - سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم	(۹۰-سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ اُمت مُسلمہ (بموقع یوم اقبال)	(۶۰ - سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی	(۶۰ - سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اُسوہ محمدیؐ کی روشنی میں	(۶۰ - سی)	۱۹	۲۵/-
۹	اسلام میں خواتین کا مقام (خطبہ جمعہ)		۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام	(۶۰- سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاوّل)	(۶۰ - سی، ۹۰ - سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	(۶۰ سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ	(۶۰ - سی ۴ کیسٹ)	۲۶-۲۷	۱۰۰/-
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع)	(۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حقیقت	(۶۰/۹۰ - سی دو کیسٹ)	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع)	(۹۰ - سی دو کیسٹ)	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع)	(۶۰ - سی ۴ کیسٹ)	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر	(۶۰ - سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	تفسیر سورۃ الشوریٰ (مکمل)	(۹۰ - سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	تفسیر سورۃ الحجرات (مکمل)	(۹۰ - سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ الصف و الجمعہ	(۹۰ - سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو	(۹۰ - سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	تفسیر سورۃ مریم (مکمل)	(۹۰ - سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	تفسیر سورۃ المنافقون	(۹۰ - سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ	(۶۰ سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفہ شہادت	(۹۰ - سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطبہ جمعہ - (تاریخ اُمت مُسلمہ)	(۶۰ - سی)	۶۵	۲۵/-
۲۸	خلاصہ مضامین قرآن بموقع تراویح	(۶۰ - سی ۱۵ کیسٹ)	۶۶-۸۰	۳۷۵/-
۲۹	خطبہ جمعہ : موجودہ سیاست اور اس کا حل	(۶۰ - سی)	۸۱	۲۵/-
۳۰	قرب الٰہی بذریعہ فرائض اور نوافل	(۶۰ - سی دو کیسٹ)	۸۲-۸۳	۵۰/-
۳۱	تفسیر سورۃ یٰسین	(پانچ کیسٹ)	۸۴-۸۸	۱۲۵/-
۳۲	درس سورۃ بنی اسرائیل آخری آیت	(۶۰ - سی)	۸۹	۲۵/-
۳۳	تقاریر حقیقت و اقسام شرک	(۶۰ - سی، ۶ کیسٹ)	۹۰-۹۵	۱۵۰/-
۳۴	سیرت حضرت ابراہیمؑ اور فلسفہ قربانی	(۶۰ - سی)	۹۶	۲۵/-

نمبر شمار	موضوع		کوڈ نمبر	قیمت روپے
۳۵	خطبہ جمعہ : اسلام کا معاشرتی نظام	(والدین کے حقوق)	۹۷	۲۵/-
۳۶	" " " " "	(حقوق الزوجین)	۹۸	۲۵/-
۳۷	" " " " "	(مرد اور عورت کا مقام)	۹۹	۲۵/-
۳۸	" " " " "	(قرآن اور پردہ)	۱۰۰	۲۵/-
۳۹	تفسیر سورۃ الحدید	(چار کیسٹ)	۱۰۱-۱۰۴	۱۱۰/-
۴۰	خطبہ جمعہ : اسلام کا سیاسی نظام	(۶۰ - سی تین کیسٹ)	۱۰۵-۱۰۷	۷۵/-
۴۱	شادی بیاہ کی رسومات اور ان کا حل	(۹۰ سی)	۱۰۸	۳۰/-
۴۲	خطبہ جمعہ : مثالی مسلمان خاتون	(۶۰ - سی)	۱۰۹	۲۵/-
۴۳	ختم نبوت اور اس کے لوازم	(۹۰ - سی دو کیسٹ)	۱۱۰-۱۱۱	۶۰/-
۴۴	فتنۂ دجال قرآن و حدیث کی روشنی میں	(۹۰ سی)	۱۱۲	۳۰/-
۴۵	سیرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	(۹۰ - سی)	۱۱۳	۳۰/-
۴۶	حقیقت جہاد	(۶۰ - سی دو کیسٹ)	۱۱۴-۱۱۵	۵۰/-
۴۷	تفسیر سورۃ الصٰفٰت	(۹۰ - سی چار کیسٹ)	۱۱۶-۱۱۹	۱۲۰/-
۴۸	تفسیر سورۃ ص	(۵ کیسٹ)	۱۲۰-۱۲۴	۱۴۵/-
۴۹	درس حدیث	(اعمال کا دار و مدار)	۱۲۵	۲۵/-
۵۰	" "	(حدیث جبرائیل)	۱۲۶	۲۵/-
۵۱	" "	(مسئلہ تقدیر)	۱۲۷	۲۵/-
۵۲	علامہ اقبال اور قرآن حکیم	(۶۰/۹۰ سی)	۱۲۸-۱۲۹	۵۵/-
۵۳	خطبہ جمعہ : فتنۂ قادیانیت اور رفع مسیح علیہ السلام		۱۳۰	۲۵/-
۵۴	" " : نزول مسیح علیہ السلام		۱۳۱	۲۵/-
۵۵	واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم		۱۳۲	۳۰/-
۵۶	حقیقت و ماہیت ایمان	(۶۰ - سی) چار کیسٹ	۱۳۳-۱۳۶	۱۰۰/-
۵۷	امام مہدی کا اصل تصور		۱۳۷	۲۵/-
۵۸	خطبہ جمعہ : خرق عادت معجزہ اور کرامت کی حقیقت		۱۳۸	۲۵/-
۵۹	توحید خالص (سورۃ الزمر کے آخری رکوع کی روشنی میں)		۱۳۹	۳۰/-
۶۰	قرآن اور احیائے اسلام	(۹۰ - سی)	۱۴۰	۳۰/-
۶۱	اقامت دین اور اس کا طریق کار	(تین کیسٹ)	۱۴۱-۱۴۳	۸۵/-
۶۲	اسلام کا نظام بیعت (قرآن اور حدیث کی روشنی میں)		۱۴۴-۱۴۵	۵۰/-
۶۳	تفسیر سورۃ المومن	(۴ کیسٹ)	۱۴۶-۱۴۹	۱۱۵/-
۶۴	نفاذ نظام اسلامی اور اس کے مراحل	(تین کیسٹ)	۱۵۰-۱۵۲	۷۵/-
۶۵	تفسیر سورۃ الزمر	(۹ - کیسٹ)	۱۵۳-۱۶۱	۲۴۵/-
۶۶	تفسیر سورۃ التغابن	(دو کیسٹ)	۱۶۲-۱۶۳	۶۰/-
۶۷	تفسیر سورۃ الاحزاب	(۱۴-کیسٹ)	۱۶۴-۱۷۷	۴۱۵/-
۶۸	رونے کی اصل غرض و غایت		۱۷۸	۳۰/-

★ ادارہ نشر القرآن ہمیشہ جاپان سے درآمد شدہ کیسٹ استعمال کرتا ہے ★ مارکیٹ میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے قیمتوں میں کمی بیشی کی جا سکے گی۔ ★ بذریعہ ڈاک بیرون ملک منگوانے والے حضرات UBL ماڈل ٹاؤن برانچ کے اکاونٹ نمبر ۵۴۱ اور اندرون ملک بذریعہ V.P.P طلب فرمائیں۔ ★ انگریزی میں خطابات / دروس کے کیسٹوں کی فہرست طلب فرمائیں۔
★ "نشر القرآن" کے نام کے تحت ڈرافٹ بھیجیں۔ کراچی میں کیسٹ مکرم ملا داود منزل پاشا نگ ٹیڈرز نیو مینشن نزد آرام باغ سے مل سکتے ہیں۔

زیر اہتمام: تنظیم اسلامی، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون ۸۵۲۶۱۱ ۸۵۲۶۸۳

تصانیف : ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

۱	اسلام کی نشاۃِ ثانیہ - کرنے کا اصل کام		۱/۵۰
۲	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	ادنیٰ / اعلیٰ	۲/- / ۴/-
۳	راہِ نجات - سورۂ والعصر کی روشنی میں	مفصل / مختصر	۳/- / ۲/-
۴	دعوت الی اللہ		۱/۵۰
۵	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت	ادنیٰ / اعلیٰ	۳/- / ۴/-
۶	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	ادنیٰ / اعلیٰ	۲/- / ۳/-
۷	قرآن اور امن عالم		۱/۵۰
۸	علامہ اقبال اور ہم		۲/-
۹	عظمتِ صوم		۱/۵۰
۱۰	قرآن حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ		۸/-
۱۱	مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب		۱۰/-
۱۲	سرافگندیم		۷/
۱۳	مطالباتِ دین		۶/-
۱۴	تحریکِ جماعت اسلامی	ادنیٰ / اعلیٰ	۱۰/- / ۲۰/-
۱۵	شہیدِ مظلوم	ادنیٰ / اعلیٰ	۳/ / ۴/
۱۶	اسلام اور پاکستان		۵/-
۱۷	تنظیمِ اسلامی کی دعوت		۴/-

عربی ترجمہ :

۱۸	ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن ؟	۵/-

انگریزی تراجم :

۱۹	The Obligations Muslims owe to the Quran.	۵/-
۲۰	The way to Salvation—in the light of Surah Al-'Asr.	۵/-
۲۱	Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.	۳/-
۲۲	The Quran & World Peace.	۳/-
۲۳	Rise & Decline of Muslim Ummah.	۵/-

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ، لاہور

تصانیف : امام حمید الدین فراہی

۱	مجموعہ تفاسیر فراہی	۶۰/-
۲	اقسام القرآن	۵/-
۳	ذبیح کون ہے ؟	۵/-

تصانیف : مولانا امین احسن اصلاحی صاحب

۱	مبادئ تدبر قرآن	۱۲/-
۲	حقیقتِ دین	۳۲/-
۳	دعوتِ دین اور اس کا طریق کار	۲۰/-
۴	اقامتِ دین اور انبیائے کرام کا طریق کار	۱/۲۵
۵	اسلامی قانون کی تدوین	۱۲/-
۶	اسلامی ریاست	۳۰/-

اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار	تصنیف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب مرحوم	۱/۵۰
یتیم پوتے کا حق وراثت	تصنیف : سید غلام محمد رضوی صاحب	۵/-
اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش	تالیف : پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۵/-

کاروباری شرائط

تاجروں کو ۲۵ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے ۔
ایک سو روپے سے زائد کی کتب کا ڈاک خرچ ادارہ کے ذمہ ہوگا ۔
بغیر وجہ بتائے قیمتوں میں کسی وقت بھی ردّ و بدل کیا جا سکتا ہے ۔
آرڈر کے ساتھ پچاس فیصد رقم آنا ضروری ہے ۔
فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی ۔
بیرونی ممالک سے آئی ہوئی فرمائشوں کی تعمیل عام ڈاک سے کی جائے گی ۔
ہوائی ڈاک سے منگانے والے حضرات سے ڈاک خرچ وصول کیا جائے گا ۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)
۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

اَلتَّاجِرُالْاَمِیْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ
(قولِ رسولؐ)

☆

IRAN-LAHORE TRADING CORPORATION

Flat Nos. 14-15, 63-Shadman Commercial Market,
LAHORE — PAKISTAN

Cable Address :
PAYANDEPAK
Tel. 417353
TLX No. 44944 & 44942 CTO LH

☆

Reliable Exporters of :

- ★ Canvas Cloth (Waterproofed & Grey), Tents & Tarpaulins.
- ★ Cotton Yarn (Single / Twisted).
- ★ Hand-knotted Woollen Carpets.
- ★ Auto Spare Parts.

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے

قواعد وضوابط

(مع توضیحات)

دفعہ ۱ : نام اور دفتر (ل) اس انجمن کا نام "مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور" ہوگا۔ (ب) اس کا دفتر لاہور ہی میں رہے گا۔

دفعہ ۲ : وابستگی کی صورتیں اور شرائط (ل) اس انجمن کے ساتھ وابستگی کی حسب ذیل چار صورتیں ہوں گی :- (۱) مُؤسّسین یعنی وہ لوگ جو تشکیلِ انجمن کے وقت فی کس پانچ ہزار روپے یک مُشت ادا کریں اور بعد ازاں پچاس روپے ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں۔

(۱۱) محسنین یعنی وہ لوگ جو تشکیلِ انجمن کے بعد کسی مرحلے پر پانچ ہزار روپے یک مشت ادا کریں اور بعد ازاں پچاس روپے ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں۔

(۱۱۱) مستقل ارکان یعنی وہ لوگ جو دو ہزار روپے یک مشت ادا کریں اور بعد ازاں بیس روپے ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں۔

(۱۷) عام ارکان - یعنی وہ لوگ جو یک مشت تو کچھ ادا نہ کریں لیکن بیس روپے ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں۔

(ب) ماہانہ زرِ تعاون کی ادائیگی سے عارضی رخصت صدر انجمن کی منظوری سے ہو سکے گی۔

(ج) ماہانہ زرِ تعاون کی بلا منظوری مسلسل تین ماہ تک عدم ادائیگی پر مؤسسین، محسنین اور مستقل اور عام ارکان کا حق رائے دہی معطّل ہو جائے گا

(د) مؤسسین و محسنین کو انجمن کے اجلاس عام میں تین تین ووٹ حاصل ہوں گے جبکہ مستقل اور عام ارکان کو علی الترتیب دو اور ایک ووٹ حاصل ہوں گے۔

(ھ) ہر چہار انواع کے وابستگان کے لیے انجمن سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیے صرف صدرِ انجمن کو مطلع کر دینا کافی ہوگا۔ لیکن اس صورت میں کسی قسم کا زرِ تعاون واپس نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۳۔ ہیئتِ انتظامیہ	(الف) انجمن کی ہیئتِ انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلسِ منتظمہ پر مشتمل ہوگی۔

(ب) صدرِ مؤسس : ڈاکٹر اسرار احمد کو اس انجمن کے صدرِ مؤسس (FOUNDER AND LIFE PRESIDENT) کی حیثیّت حاصل ہوگی اور وہ تاحینِ حیات اس کے صدر رہیں گے اور اس دوران میں انجمن اصلاً اُن ہی کی رہنمائی اور نگرانی میں اور ان ہی کی صوابدید کے مطابق کام کرے گی اور انہیں مجلسِ منتظمہ کے کسی بھی فیصلے کو کلّیۃً یا جزوی طور پر رد کر دینے کا حق حاصل ہوگا۔

(ج) صدرِ انجمن : یہ منصب ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال یا اس سے قبل کسی سبب سے معذور ہو جانے پر وجود میں آئے گا اور اس صورت میں انجمن کی قیادت و رہنمائی کی ذمّہ داری اصلاً مجلسِ منتظمہ کو بحیثیت مجموعی منتقل ہو جائے گی اور صدرِ انجمن کا انتخاب مجلسِ منتظمہ اپنے ارکان میں سے کثرتِ رائے سے کرے گی اور اسے حقِ استرداد حاصل نہیں ہوگا۔

(د) مجلسِ منتظمہ ۱۴ چودہ ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں بارہ ارکان منتخب ہوں گے اور دو نامزد۔

(ھ) مجلسِ منتظمہ کے منتخب ارکان میں چار ارکان کو مؤسّسین منتخب کریں گے، دو کو محسنین، دو کو مستقل ارکان اور چار کو عام ارکان۔ جبکہ نامزد ارکان کو صدرِ مؤسّس یا صدرِ انجمن نامزد کرے گا اور یہ نامزدگی وابستگانِ انجمن کے چاروں حلقوں میں سے کی جا سکے گی۔

(و) مرورِ زمانہ کے مطابق اگر حلقۂ مؤسّسین میں چار ارکان موجود نہ رہے تو مجلسِ منتظمہ میں ان کے حصّے کی تعداد حلقۂ محسنین کو منتقل ہوتی چلی جائے گی۔

(ز) مجلسِ منتظمہ کے اجلاس کی صدارت صدرِ مؤسّس یا صدرِ انجمن کرے گا اور اس کا کم از کم کورم سات ارکان پر مشتمل ہوگا۔

(ح) مجلسِ منتظمہ کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوں گے اور تمام ارکان کو رائے کا صرف ایک ایک حق حاصل ہوگا۔ آراء کے برابر ہونے کی صورت میں صدر ایک مزید فیصلہ کن

ووٹ استعمال کرے گا۔
(ط) مجلس منتظمہ کا ایک ماہانہ اجلاس معمولاً منعقد ہوگا جس کے وقت اور ایجنڈے سے صدر انجمن تمام ارکان کو مناسب ذرائع سے کم از کم ایک ہفتہ قبل مطلع کرے گا۔
(ی) اس کے علاوہ مجلس منتظمہ کے کم از کم پانچ ارکان کے مطالبے پر مجلس کا ہنگامی اجلاس تین دن کے نوٹس پر بلایا جا سکے گا۔ اور صدر انجمن کی غیر موجودگی میں اس اجلاس کے لیے صدر بھی خود مجلسِ منتظمہ ہی منتخب کر سکے گی۔
(ک) مجلسِ منتظمہ اور صدر انجمن کے انتخاب ہر دو سال بعد [illegible] کے طریق پر سالانہ اجلاس عام کے موقع پر ہوں گے جو ہر سال ماہِ مارچ یا اپریل میں منعقد ہوا کرے گا اور جس کی تاریخ اور پروگرام کا اعلان کم از کم پندرہ یوم قبل کر دیا جائے گا۔
(ل) انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لیے صدر مؤسس یا صدر انجمن مجلس منتظمہ کے ارکان میں سے اعزازی ناظمین مقرر کرے گا جو حسب ذیل ہوں گے۔
(i) ناظمِ اعلیٰ : جو جملہ تنظیمی امور کا ذمہ دار اور انجمن کے دفتر کا نگران ہوگا۔
(ii) معتمد : جو مجلس منتظمہ کے سیکرٹری کے فرائض ادا کرے گا۔
(iii) ناظم بیت المال : جو آمد و خرچ کے جملہ حسابات کا ذمہ دار ہوگا۔
(iv) محاسب : جو انجمن کے حسابات کی داخلی جانچ پڑتال کرے گا۔
(v) ناظم مکتبہ و نشر و اشاعت : جو طباعت اور اشاعت کے کاموں کا نگران ہوگا۔
(م) اعزازی ناظمین کے تحت حسب ضرورت باتنخواہ عملہ رکھا جا سکے گا۔

دفعہ ۴۔ نظامِ مالیات

(ا) انجمن ہر مسلمان سے جو اس کے مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو جملہ انواع کے عطیات قبول کرے گی۔
(ب) انجمن کے نام پر ایک کرنٹ اکاؤنٹ (CA/I) کسی شیڈولڈ بینک میں کھولا جائے گا اور انجمن کے نام تمام رقوم صرف اسی اکاؤنٹ میں جمع ہوں گی اور اس سے رقم نکلوانے کا مجاز و مختار صرف صدر مؤسس یا صدر انجمن ہوگا۔
(ج) ایک دوسرا کرنٹ اکاؤنٹ (CA/II) انجمن کے نام پر کھولا جائے گا جس

میں کوئی رقم براہِ راست جمع نہیں ہوسکے گی اور جس سے رقم ناظمِ اعلیٰ و ناظمِ بیت المال مشترکہ طور پر (JOINTLY) ہی نکلوا سکیں گے۔

(د) صدر مؤسس یا صدر انجمن براہِ راست کوئی خرچ نہیں کرے گا بلکہ خرچ شدہ رقوم اکاؤنٹ (CA/I) میں سے اکاؤنٹ (CA/II) کو منتقل کرنے کا اور اخراجات سب کے سب اکاؤنٹ (CA/II) ہی میں سے ہوں گے۔

(ہ) ایک متعیّن حد (جس کا تعیّن مجلسِ منتظمہ کرے گی) کے اندر رقم بطور دستگرداں ناظمِ بیت المال کی تحویل میں رہ سکے گی۔

(و) جملہ حسابات کی سالانہ جانچ پڑتال (ANNUAL AUDITING) حکومت کے منظور شدہ محاسبین (CHARTERED ACCOUNTANTS) سے کرانی لازمی ہوگی۔

(ز) محاسبین اور ان کے معاوضے کا تعیّن مجلسِ منتظمہ کرے گی۔

(ح) حسبِ دفعہ ۳ (ب) و (ج) جب تک صدر مؤسس موجود ہیں انجمن کے بجٹ اور اخراجات کا پورا معاملہ صدر مؤسس کی صوابدید پر ہوگا اور مجلسِ منتظمہ کی ذمہ داری صرف آمد و خرچ کی نگرانی کی ہوگی۔ صدر مؤسس کے بعد یہ اختیار بالکلیہ مجلسِ منتظمہ کو منتقل ہو جائے گا۔

(ط) ایسی صورت میں کہ انجمن کو ختم کر دینا مقصود ہو اس کا تمام فاضل سرمایہ (اثاثے اور رقم جو واجب الادا رقوم اور قرض کی واپسی کے بعد بچ رہے گا) کسی ایسے ادارے کو منتقل کر دیا جائے گا جو انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعہ ۱۵ ڈی (۱) کے تحت منظور شدہ ہوگا اور اس امر کی اطلاع انجمن کی تاریخ اختتام سے تین ماہ کے اندر اندر مرکزی ریونیو بورڈ کو دے دی جائے گی۔

(ی) انجمن کسی ایسے ادارے کو مالی عطیہ نہیں دے گی اور نہ ہی کسی ایسے ادارے میں شامل ہوگی جو انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعہ ۱۵۔ ڈی (۱) کے تحت منظور شدہ نہ ہوگا۔

(ک) انجمن اپنی آمدنی، جائداد اور اثاثے صرف اپنے اغراض و مقاصد کے لیے خرچ کرے گی اور ان کا کوئی حصہ کسی شکل (بونس، نفع وغیرہ) میں اپنے کسی ممبر یا اس کے

کسی رشتہ دار کو بلا واسطہ یا بالواسطہ منتقل نہیں کرے گی۔ البتہ وہ رقوم جو بطورِ زکوٰۃ وصول ہوں ان کا حساب الگ رکھا جائے گا۔ اور یہ قوم شریعت کے مطابق بالتخصیص مستحق افراد میں تقسیم کی جائیں گی۔

(ii) انجمن اپنے دستور، میمورنڈم آف ایسوسی ایشن قواعد و ضوابط اور ذیلی قواعد میں کوئی تبدیلی مرکزی ریونیو بورڈ سے پیشگی منظوری لیے بغیر نہیں کرے گی

(iii) انجمن اپنی آمدنی بشمولیت عطیات جو اسے سالِ ماقبل میں ملے ہوں، کا ۲۵ فیصد یا دس ہزار روپیہ دونوں میں سے جو رقم کم ہو بطور ریزرو سرمایہ رکھ سکے گی۔ باقی ماندہ سرمائے کو یا تو گورنمنٹ سیکوریٹی یا (NIT) یونٹ کی خرید میں لگایا جائے گا اور اس کی اطلاع مرکزی ریونیو بورڈ کو کر دی جائے گی۔

دفعہ ۵ ذیلی انجمنیں

(ا) پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی انہی اغراض و مقاصد کے لیے انجمنیں قائم ہو سکیں گی۔ جو مقاصد کے اعتبار سے "مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور" سے منسلک (AFFILIATED) شمار ہوں گی۔ لیکن انتظامی اور مالی اُمور میں بالکل آزاد (AUTONOMOUS) ہوں گی۔ نہ ان کے حسابات وغیرہ کی ذمہ داری مرکزی انجمن پر ہو گی نہ مرکزی انجمن کی اُن پر۔

(ب) ان انجمنوں کے نام اس طرح رکھے جائیں گے۔ جیسے مثلاً "انجمن خدّام القرآن کراچی" یا "انجمن خدّام القرآن ملتان" وغیرہ۔

(ج) ذیلی انجمنیں اپنے قواعد و ضوابط خود متعین کریں گی اور انہی کے مطابق کام کریں گی۔

(د) ان انجمنوں کو اپنی سالانہ آمدنیوں کا دسواں حصّہ لازماً مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کو منتقل کرنا ہو گا۔ ورنہ وہ "انجمن خدّام القرآن" کا نام استعمال کرنے کی مجاز نہ ہوں گی۔

دفعہ ۶ ۔ طریقۂ ترمیم

(ا) صدر مؤسّس کی موجودگی میں انجمن کے قواعد و ضوابط میں کوئی ترمیم ان کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکے گی۔

(ب) بعد ازاں قواعد و ضوابط میں ترمیم مجلسِ منتظمہ دو تہائی اکثریت سے کر سکے گی۔ لیکن اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ آئندہ اجلاسِ عام میں اس کی منظوری حاصل کرے۔ بصورتِ دیگر وہ ترمیم کالعدم ہو جائے گی۔

انجمن کی تشکیل کے وقت انجمن کے دستوری ڈھانچے سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بعض توضیحات تحریر فرمائی تھیں جو 'میثاق' کے جولائی ۱۹۷۲ء کے شمارے میں تو تفصیلاً شائع ہوئی تھیں اور بعد میں جب انجمن کا دستور شائع ہوا تو اُس کے آخر میں بھی اُن کا خلاصہ درج کر دیا گیا تھا۔ تاکہ جو حضرات بعد میں کسی مرحلے پر انجمن میں شمولیت اختیار فرمائیں، وہ بھی اُن کا مطالعہ فرمائیں۔ ذیل میں اس کا ایک عکس شائع کیا جا رہا ہے ———— (مرتب)

چونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بعض اشکالات ضرور پیدا ہوں گے لہٰذا مناسب نظر آتا ہے کہ دو ضروری وضاحتیں پہلے ہی گوش گزار کر دی جائیں۔

پہلا اشکال جو اس کے مطالعے سے پیدا ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اس انجمن کی وابستگی کی اصل بنیاد پیسہ ہے اور اس میں کسی کی حیثیت کا تعین بھی اس کے زرِ تعاون کی مقدار پر مبنی ہے جبکہ کسی دینی کام کی اصل اساس جذبہ و خلوص اور عملی دلچسپی پر ہونی چاہیے۔

اگرچہ یہ اعتراض بالکلیہ تو صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ قواعد و ضوابط میں ایسے لوگوں کی رکنیت کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے جو چاہے کثیر زرِ تعاون کچھ بھی نہ پیش کر سکیں لیکن وقت اور صلاحیتوں اور قوتوں کا اثاثہ لے کر شریک ہوں (فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ) اور صرف حسبِ استطاعت ایک ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں اور نہ صرف یہ کہ ایسے حضرات کی مستقل نمائندگی مجلسِ منتظمہ میں رکھی گئی ہے بلکہ اس کا امکان بھی رکھا گیا ہے کہ مجلسِ منتظمہ کے دو نامزد ارکان بھی ایسے ہی لوگوں میں سے لیے جا سکیں ———— تاہم اصل بات یہ ہے کہ پیشِ نظر انجمن کی حیثیت معروف معنوں میں 'جماعت' کی نہیں بلکہ صرف 'ادارے' کی ہے اور یہ ہمارے پیشِ نظر کام کا کل نہیں بلکہ ایک جزو ہے۔

واضح رہے کہ راقم الحروف اپنی ذہنی ساخت اور مزاج و طبع کی افتاد کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مطمئن ہو سکا ہے نہ اب مطمئن ہو سکتا ہے بلکہ بحمد اللہ اس کے پیشِ نظر اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دینِ حق کا بلند و بالا نصب العین ہے اور اس کے لیے ایک ہمہ گیر جدوجہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے ———— چنانچہ مجوزہ انجمن کی قراردادِ تاسیس کے الفاظ سے بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت" بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی شرطِ لازم یعنی تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک برپا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

اور اس کام میں بھی راقم اپنے اصل رفیقِ کار اور دست و بازو ان باہمت لوگوں کو ہی سمجھتا ہے جو تعلیم و تعلّمِ قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں اور اس کے لیے اپنے آپ کو ہمہ تن وقف کر دیں یا کم از کم قرآن حکیم کے جانب ایک عام توجہ و التفات اور عوام و خواص میں کلامِ الٰہی کے ساتھ ایک عمومی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اپنے اوقاتِ عزیز کا معتد بہ حصہ صرف کریں اور اس مقصد کے لیے اپنی تحریری اور تقریری صلاحیتوں کو وقف کر دیں۔ کار لائیں۔ مسلسل چار سال تک راقم الحروف نے یہ کام بالکل تن تنہا کیا اور اسے کسی جماعت یا تنظیم کے قیام کا خیال تو دور رہا کسی انجمن یا ادارے کی تشکیل کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو وسعت عطا فرما دی ہے اور کچھ لوگوں کو تعلیم و تعلّمِ قرآن کے اس عظیم کام میں شرکت کی توفیق بھی عطا کر دی ہے تو بعض ناگزیر تقاضے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن میں پیسے کا صرف لابدّ منہ ہے جو صرف سینکڑوں اور ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں اور اگر اللہ نے چاہا تو کروڑوں میں ہوگا۔

ان تقاضوں میں سے اوّلین یہ ہے کہ اس تحریکِ رجوع الی القرآن کا ایک مرکز ہو جو نہ صرف یہ کہ اس کے وابستگان کے باہمی رابطے کا ذریعہ بنے بلکہ وہاں تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لیے مناسب ماحول پیدا کیا جائے، مراجعت کے لیے ضروری کتب موجود ہوں اور جو نوجوان اس کام میں ہمہ تن لگنے کو تیار ہوں ان کی تعلیم و تربیت کا معقول بندوبست ہو۔ ثانیاً ایسے نوجوانوں کی کفالت کا اہتمام بھی ضروری ہے جو اس کام کے لیے پوری زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

مزید برآں نشر و اشاعت اور طباعت کتب و جرائد کا کام ہے جس کے لیے زرِ کثیر کی حاجت ہے۔ پھر مطبوعات چاہے مفت تقسیم ہوں چاہے لاگت سے بھی کم (SUBSIDISED) قیمت پر چاہے مناسب نفع کے ساتھ بہرحال اس کے لیے ایک باقاعدہ نظم ضروری ہے۔

مجوزہ انجمن دراصل ان ہی کاموں کے لیے ضروری سرمائے کی فراہمی اور ان کے ضمن میں اخراجات وغیرہ کی مناسب نگرانی کے لیے قائم کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ڈھانچہ ایسا تجویز کیا گیا ہے کہ جو لوگ جس قدر زیادہ سرمایہ اس کام کے لیے پیش کریں اخراجات کی نگرانی میں ان کا حصہ اسی قدر زیادہ ہو تاکہ انہیں یہ اطمینان رہے کہ ان کا سرمایہ ان ہی مقاصد کے لیے صرف ہو رہا ہے جن کے لیے انہوں نے پیش کیا تھا۔

دوسرا اعتراض جو اس جمہوریت نواز بلکہ جمہوریت پرست دور میں انجمن کے مجوزہ خاکے کے بارے میں پیدا ہونا لازمی ہے یہ ہے کہ اس میں صدر مؤسس کی حیثیت تحکمانہ ہی نہیں آمرانہ ہے۔ اس ضمن میں ہم اس اعتراف میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے نزدیک کسی دینی خدمت خصوصاً احیائی کوشش کے لیے جو بھی انجمن یا ادارہ وجود میں آئے یا جماعت یا تنظیم قائم ہو اس کا نظم اسی نوعیت کا ہونا چاہیے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی کسی بھی کوشش کا آغاز بالعموم اسی طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد کے دل میں اس کام کے لیے ایک شدید داعیہ بھی پیدا فرما دیتا ہے اور اس سلسلے میں موجود الوقت ظروف و احوال کی مناسبت سے اسے کسی خاص طریق کار اور منہج عمل کے لیے انشراح صدر بھی عطا فرما دیتا ہے۔ تب یہ فرد اس کام کو لے کر اٹھتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے اور صلائے عام دیتا ہے کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ[1] چنانچہ جن لوگوں کو اس کے خیالات سے اتفاق اور خود اس پر شخصی اعتبار سے فی الجملہ اعتماد ہوتا ہے وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اسے آپ سے آپ ان لوگوں کی رہنمائی کا منصب حاصل ہو جاتا ہے۔

اب صاف اور سیدھی سی صورت یہی ہے کہ اس حقیقت کو خود ہی تسلیم کیا جائے اور اسی کا اعلانِ عام بھی ہو تاکہ جو بھی آئے اس صورت کو ذہناً قبول کر کے آئے اور بصورتِ دیگر اپنے لیے کوئی اور راہ تجویز کرے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کی تاریخ کے دوران میں جو احیائی کوششیں ہوئیں ان سب کا عام انداز تحریک تجدید کے زمانے تک تو نظم یہی رہا ہے کہ ایک شخص بحیثیت داعی اٹھتا ہے اور جو لوگ اس کے گرد جمع ہوتے ہیں وہ آپ سے آپ ایک جماعت بن جاتے ہیں۔ نہ کوئی شرائطِ رکنیت ہوتی ہیں، نہ فارمِ داخلہ، نہ کہیں پنچایتی انتخاب کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے نہ ہی امیر اور شوریٰ کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لیے پیچ در پیچ فارمولے ایجاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی انفصال یا اخراج کے لیے کوئی ضابطہ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک شخص محض ذاتی احساسِ فرض کے تحت کام کا آغاز کر دیتا ہے۔ پھر جس جس کو اس کے خیالات سے اتفاق اور اس کی ذات پر اعتماد ہوتا ہے اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے اور جونہی یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بات موجود نہیں رہتی وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے اور خواہ مخواہ جھگڑا کر کے هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ[2] کے قضیے کھڑے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ وہ داعی اگر واقعی مخلص ہے اور خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے اور وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[3] کا مصداق بننے کا شوقین نہیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ جماعت میں شورائیت کا ماحول قائم رکھے تاکہ اطمینان و اعتماد کی فضا برقرار رہے۔

ہم اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا ذہن بالکل یکسو ہے۔ ہم نے مجوزہ انجمن کے لیے تو مروجہ ضوابط کا یہ تھوڑا سا تکلف بھی صرف اس لیے قبول کیا ہے کہ ایک تو یہ جماعت نہیں انجمن ہے اور دوسرے اس کی لامحالہ کچھ جائیداد بھی ہوگی جس کی تولیت کا معاملہ خالص قانونی ہے، ورنہ اگر خدا نے چاہا اور کسی ہمہ گیر دعوت کے آغاز کی توفیق بارگاہ رب العزت سے ارزانی ہوگئی تو اس کا معاملہ ان شاء اللہ خالصتہً اسی نہج پر ہوگا جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے تعلیم و تعلم قرآن کے جس کام کا علم اٹھایا ہے اس کی ابتدا بھی اسی فطری نہج پر ہوئی تھی کہ ایک شخص کے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا اور اسے کامل انشراح ہو گیا کہ فی الوقت کرنے کا اصل کام یہی ہے (کہ جا ایں جاست!) چنانچہ اس نے تن تنہا سفر کا آغاز کر دیا۔ تاآنکہ اب صورت یہ ہے کہ جیسا کہ بالکل ابتدا میں عرض کیا گیا تھا، کچھ لوگوں نے اس کی نصرت پر کمر ہمت کس لی ہے۔ اس فطری صورت حال کو صرف موجود الوقت رجحانات کے دباؤ کے تحت 'جمہوری' رنگ دینا نہ صرف یہ کہ ایک خواہ مخواہ کا تکلف ہے بلکہ خدشہ یہ ہے کہ اس طرح تمام وقت قواعد و ضوابط کی خانہ پری اور حدود و اختیارات کی رسہ کشی کی نذر ہو کے رہ جائے گا اور کام کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ہم نے وہی راستہ اختیار کیا ہے جو مطابق واقعہ بھی ہے اور کام کی مقدار اور رفتار کے اعتبار سے موزوں تر بھی! اللہ تعالیٰ ہمیں خلوص و اخلاص کی دولت عطا فرمائے ہمیں اپنے دین کی بالعموم اور اپنی کتاب عزیز کی بالخصوص خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسرار احمد

---

[1] کون ہے میرا مددگار خدا کی راہ میں؟ سورۂ صف [2] اختیارات میں کوئی حصہ ہمارا بھی ہے کہ نہیں؟ سورۂ آل عمران [3] اس عورت کی مانند نہ ہو جاؤ جس نے اپنا محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ سورۂ نحل

آپ کو [illegible]

گارڈر، بالے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لائیے

کاپور ٹریڈرز

صدر دفتر : [illegible] لاہور

فون : [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فون : [illegible]

[illegible] فون : [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فون : [illegible]

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاھور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ۔۔۔ اور ۔۔۔ **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ۔۔۔ اور ۔۔۔ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّت ِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ۔ اور ۔ **غلبۂ دینِ حق کے دَورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ